67-8

ماہنامہ

تجلی

دیوبند

تاریکیوں میں ایک چراغ

قلتم انی ھذا قل ھو من عند انفسکم

آل عمران - آیت ۱۶۵

خود کردہ

مدیر: عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

جب جنگ اُحد میں صحابہؓ کو دفعتاً شکست ہوئی۔ حالانکہ اللہ کا آخری پیغمبرؐ ان کیساتھ تھا تو کتنے ہی صحابہ حیران رہ گئے کہ ارے یہ کیا ہوا! — وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ جب ہم حق پر ہیں اور اللہ کے رسولؐ ہمارے ساتھ ہیں تو فتح و نصرت کے سوا ہماری تقدیر کچھ اور ہو ہی نہیں سکتی۔

اس مستفسرانہ تحیر کا جواب اللہ تعالیٰ یوں دیتا ہے:-

قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا — تم کہتے ہو یہ کیا ہوا؟

قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ — کہدو اے پیغمبر! یہ مصیبت تمہاری اپنی ہی لائی ہوئی ہے۔

اگر کوئی عقلِ سلیم کے ساتھ غور کرنے والا ہو تو اس ایک فقرے میں ہمارے حال اور مستقبل کی بے شمار الجھنوں، مصیبتوں اور ابتلاؤں کا حل موجود ہے۔ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ؟

سالانہ
دس روپے

فی پرچہ:- ایک روپیہ

مُفید کتابیں

تفسیر حل القرآن ایک عام فہم اور سلیس تفسیر جو مسلمانوں کی ضروریات کے لحاظ سے مفید اور کارآمد ہے۔

چند اہم خصوصیات

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے شروع ... ترجمہ فرمایا ہے (۲) تفسیر کے ان حواشی سے جو کہ مولانا تھانوی نے تحریر فرمائے ... کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے (۳) مولانا تھانویؒ نے اس تفسیر کی ... کی وامتیازی خصوصیات پر مشتمل ایک تقریظ بھی تحریر فرمائی ہے۔ ... فی پارہ ڈیڑھ روپیہ۔ مکمل سیٹ ۳۰ روپے۔

فتح اسلام مکمل دَہ چہار حصص — از مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

... جم کی نمود سے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کے تمام حالات ... نہایت سلیس اور شیریں انداز میں۔

یہ ایڈیشن مؤلف کی نظر ثانی اور نئی ترتیب کے مطابق ہے جس میں متعدد ... کے اضافوں کے علاوہ مکتوباتِ نبویؐ جو شاہانِ وقت کے نام لکھے ... بعہ اُردو ترجمہ موجود ہیں۔ ٹائیٹل خوشنما، جس میں نامۂ مبارک کا عکس ... ل ہے۔ بلا جلد چھ روپے (مجلد ساڑھے سات روپے)

جلالین مترجم و شرح اُردو از: مولانا محمد نعیم صاحب — استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

... یہ مشہور ترین تفسیر ضخیم تفسیروں کا خلاصہ و عطر ہے۔

... وصیات:- (۱) اصل عربی متن مع اعراب (۲) متن کے نیچے عام فہم اُردو ... (۱) ترجمے کے بعد متعدد تفاسیر مثلاً تفسیر کبیر، کشاف، روح البیان ... تفسیر مظہری، بیان القرآن وغیرہ کے منتخب مضامین (۴) علوم قرآنی ... متعلق دورِ حاضر کی تحقیق (علمی لطائف اور قرآنی نکات (۶) شانِ ... ربط آیات، بلاغت اور اسلوبِ قرآن پر بلیغ تبصرہ (۷) صحیح عقائد مسلک ... فی الوقت ۱۳ پارے مکمل ہیں۔ پارہ اول و دوم چھپ چکے۔ باقی ہر پارہ ڈھائی پیسے

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل مبوب — فقہی ترتیب والا جدید ایڈیشن

دارالعلوم کے صد سالہ دور کا شاہکار، ڈھائی ہزار سے زائد ایسے سائل جو عموماً مفصل اور عبارات فقہیہ کے ساتھ مدلل ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ کی ضروریات سے متعلق مسائل کا یہ ذخیرہ اس قابل ہے کہ تمام مدرسوں، خانقاہوں، لائبریریوں اور ہر مسلم گھرانے میں برائے مطالعہ رکھا جائے۔ ٹائیٹل خوشنما دیدہ زیب جس میں دارالافتاء دارالعلوم کا فوٹو بھی شامل ہے۔

قیمت مکمل سیٹ چار جلدوں میں اکیس روپے (مجلد چوبیس روپے)

اشرفیہ بہشتی زیور مکمل مُدلل مبشی — ہر طرح کا مسئلہ اس میں مل جاتا ہے، زبان بالکل عام فہم۔ عورتیں اور بچیاں تک فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ دو جلدوں میں مکمل۔ بارہ روپے (مجلد پندرہ روپے)

قصص الاولیاء یعنی نزہۃ المجالسین اُردو، ترجمہ نزہۃ المجالس — جس میں اولیاء اللہ علماء، صلحاء اور بزرگان دین کی تیرہ سو سے زائد حکایات و کرامات درج ہیں۔ پانچ حصوں میں۔

فی حصہ دو روپے

غیبت کیا ہے؟ مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی ایک نادر کتاب جس میں غیبت کو قرآن نے "اپنے بھائی کا گوشت کھانے" سے تعبیر کیا ہے وہ کیا ہے۔ اس کی کتنی شاخیں اور قسمیں ہیں۔ اس سے متعلق فقہی احکام کیا ہیں۔ ایسے تمام سوالوں کے جواب قرآن و حدیث اور اقوال سلف کی روشنی میں۔ تین روپے پچاس پیسے۔

براہین قاطعہ بدعات کے رد میں ایک شہرۂ آفاق کتاب طرح طرح کی مروجہ بدعتوں کے حق میں جو دلائل اہل بدعت دیتے رہتے ہیں ان کا لاجواب رد اور صحیح عقائد کا بیان

پانچ روپے

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۹ شمارہ ۶

ماہنامہ تجلّی دیوبند

- سالانہ قیمت - دس روپے
- فی پرچہ - ایک روپیہ
- غیر ممالک سے - ایک پاؤنڈ بشکل پوسٹل آرڈر - پوسٹل آرڈر پر کچھ نہ لکھیئے بالکل سادہ رکھیئے۔

ایڈیٹر - عامر عثمانی (فاضل دیوبند)

منی آرڈر اور خط بھیجنے کا مکمل پتہ
تجلّی - دیوبند (یو-پی)

پاکستانی حضرات

مندرجہ ذیل پتہ پر منی آرڈر بھیجکر وہ رسید ہمیں بھیجدیں جو منی آرڈر کرتے وقت ڈاکخانہ سے ملتی ہے۔

پاکستان کا پتہ

مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰
مینا بازار - پیر الٰہی بخش کالونی
کراچی — (پاکستان)

الرٹ

اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے۔ یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا (وی پی دس روپے ستر پیسے کا ہوگا)۔ منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند" سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلّی دیوبند سے شائع کیا۔

فہرست مضامین ماہ جولائی ۱۹۶۷ء

آغاز سخن	عامر عثمانی	۵
ماضی کی جھلکیاں	(آئین۔ لاہور)	۱۷
تجلّی کی ڈاک	عامر عثمانی	۱۹
کشمکشِ حق و باطل کی حقیقت	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	۳۱
تفہیم القرآن	" "	۳۵
کشف الشبہات	عبدالوہابؒ	۴۱
وہ نبیوں میں رحمت لقب پانیوالا	تاج الدین اشعر	۴۳
مسجد سے میخانے تک	ملّا ابن العرب مکّی	۵۲
حالاتِ حاضرہ	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	۶۰
مشرق وسطیٰ کی جنگ	(الیشیا۔ لاہور)	۶۲
تفہیم حدیث	مولانا مودودی	۶۷
مولانا مودودی کی مجلس	•	۷۵
کھرے کھوٹے	شمس نوید عثمانی	۸۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

بچھو اگر کاٹتا ہے۔ غلاظت کے ڈھیر اگر تعفن پھیلاتے ہیں۔ بت پرست اگر پتھر کی مورتیوں کے آگے ماتھا رگڑتا ہے۔ کمیونسٹ اگر خدا اور مذہب کا مضحکہ اڑاتا ہے — تو یہ سب امور قدرتی ہیں منطقی ہیں۔ توقع اور قیاس کے مطابق ہیں۔ ان میں استعجاب اور تحیّر کا کوئی سوال نہیں۔

ٹھیک اسی طرح اگر بھارت کے موجودہ وزیر خارجہ شری چھاگلہ علیہ ما علیہ کانگریس کی پارلیمانی پارٹی کی میٹنگ میں مصر کے جمال عبد الناصر کی ترقی پسندی اور سیکولر پالیسی کی مدح و تحسین فرماتے ہوئے واشگاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ — "ناصر نے اخوان المسلمون کو مضبوط ہاتھوں سے کچل کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے"۔ تو اس پر نہ استعجاب کا موقع ہے نہ احتجاج کا۔ انھیں تو ایسا کہنا ہی چاہیئے تھا۔ ان کا اسلام جس ٹائپ کا ہے۔ ان کے طرز فکر کے جو نمونے ابھی ماضی قریب ہی میں سامنے آچکے ہیں۔ ان کی عملی زندگی جس نہج کی ہے۔ اس کے پیش نظر کون آنکھ والا اس میں شک کر سکتا ہے کہ ہر وہ خبر ان کے لئے مژدۂ جانفزا اور پیغام دلنواز ہی ثابت ہوگی جو تصادم اور حرب و ضرب کے کسی میدان میں قرآن و سنت والے اسلام کی ہزیمت و پامالی اور مغرب سے درآمد کردہ مصنوعی اسلام کے غلبہ و فروغ کا راگ سنائے۔

منافقت کسی تعریف یا تعارف کی محتاج نہیں۔ منافقوں کے سر پر سینگ کبھی نہیں ہوئے۔ دورِ رسالت کے منافق بھی صحابہ ہی جیسے اعضاء رکھتے تھے۔ مگر جب صحابہؓ کو کسی مقابلہ میں نقصان کا سامنا کرنا پڑتا تو منافقوں کے گھروں میں عید ہو جاتی۔ ان کے دل و دماغ فرطِ مسرت سے جھوم اٹھتے۔ وہ خوش ہوتے کہ کفر نے اسلام کے منہ پر طمانچہ رسید کیا ہے۔ فرق ذرا سا یہ ہے کہ دورِ رسالت کے منافق بس منافق ہی تھے زندیق نہ تھے۔ زندقہ کے لئے جہاں وافر مقدار میں بے حیائی، بہت سی شیطانی عیاری اور ڈھیر کی ڈھیر ہٹ دھرمی درکار ہے وہیں اقتدار و اختیار کی بھی احتیاج ہے۔ منافق خود مقتدر اور حاکم نہ ہو تو کم سے کم کسی صاحب اقتدار کی پشت پناہی اسے حاصل ہو۔ تب وہ بڑے اطمینان سے زندیقی کے نوک ملک سنوار سکتا ہے۔ دورِ رسالت کے منافقین زندقہ کی راہ کیسے اختیار کرتے جبکہ اسلام کی قوت نے ان کے سارے بل نکال دیئے تھے۔

مگر آج معاملہ مختلف ہے۔ آج ہر منافق کو یا تو بجائے خود اقتدار حاصل ہے یا دوسرے ارباب اقتدار اس کی دستگیری کر رہے ہیں۔ اسی لئے وہ بہت آسانی سے زندقہ کی راہ اختیار کر سکتا ہے اور کر رہا ہے۔ زندقہ کا نمونہ آگے ہم پیش کریں گے۔ فی الحال بس اتنا ہی کہنا ہے کہ شری چھاگلا جیسے حضرات جمال عبد الناصر کا قصیدہ پڑھیں یا شاہ فیصل کی دعوت اتحاد کی مذمت میں رطب اللسان ہوں اس پر حیرت نہیں کی جا سکتی۔

ہاں حیرت ہوتی ہے تو اس پر کہ بعض ایسے بزرگوار بھی مصر کے سلسلے میں حق پوشی اور جانبداری کا مظاہرہ کر رہے ہیں جن کے تقدس، تقویٰ اور زہد و ورع سے بجا طور پر توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ حق کی گواہی دیں گے چاہے یہ گواہی ان کے احباب و اقرباء یا والدین یا خود ان کے اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو۔

اس کا ایک تازہ نمونہ ہمیں خون کے آنسو رلا گیا۔

ماہنامہ "بینات" مولانا محمد یوسف بنوری جیسے فقیہ عالم کی سرپرستی اور مولانا محمد ادریس جیسے ذی بصیرت کی ادارت میں کراچی سے نکلتا ہے۔ اس کی روش اگرچہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے سلسلے میں مخالفانہ ہی ہے اور گاہے گاہے اس کے ذریعے سنگ باری ہوتی ہی رہتی ہے لیکن اس پہلو کو نظر انداز کر دیجئے تو یہ ایک اچھا علمی پرچہ ہے جس کا مطالعہ ہم جیسے اطفال مکتب کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم اسے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔

اس وقت ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ کا شمارہ سامنے ہے۔ اس میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے سابق استاد حدیث مولانا محمد لطف اللہ صاحب کا ایک گرامی نامہ اور ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ ان دونوں ہی چیزوں کا موضوع عربوں کی تازہ شکست ہے۔ خط مولانا محمد یوسف بنوری کے نام ہے اور اس میں جس جذباتی انداز میں اس موضوع پر اظہار خیال کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب مکتوب کا قلب اسلام کی محبت، دین کے درد اور حق و صداقت کی شیفتگی سے لبریز ہے۔

"بلاد مقدسہ کی تباہی اور عرب طاقتوں کی ذلت اور رسوائی ایک ایسا صدمہ ہے جس نے میرے تو ہوش و حواس بالکل خراب کر دیئے ہیں۔"

اور:-

"میں پہلے بھی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی حالت سے مایوس تھا۔ اب تو قطعی مایوس ہو کر انسانیت کا انتظار کر رہا ہوں۔"

یہ ہے نمونہ موصوف کے شدت تاثر کا۔ اس کے بعد مقالہ بھی نالہ و شیون ہی سے شروع ہوتا ہے:-

"آہ! آج ایک طرف تمام عالم اسلام خون کے آنسو بہا رہا ہے اور انڈونیشیا سے مراکش تک ہر مسلم کا قلب پارہ پارہ اور جگر خون خون ہو رہا ہے۔"

یہ مقالہ جہاں قیمتی معارف و بصائر پر مشتمل ہے وہیں مقالہ نگار کے اخلاص فی الدین، خدا ترسی، اسلام دوستی اور رقت قلب کا بھی آئینہ دار ہے۔ اس میں انھوں نے بعض پگڑی فروش علماء کی طرح جمال عبدالناصر کے قصیدے نہیں پڑھے بلکہ نام لئے بغیر ہی سہی حق تنقید ایمانداری کے ساتھ ادا کیا۔ ایسی حالت میں ہمیں پوری توقع تھی کہ جس پیرے میں وہ عربوں کی شکست کے اہم ترین بنیادی اسباب کا ذکر کریں گے وہاں اس بے پناہ ظلم و بربریت کا تذکرہ بھی ضرور آئیگا جس کی شیطانی چکی میں اخوان المسلمون کو پیسا گیا ہے۔ مگر ہم حیرت سے دم بخود رہ گئے جب پورا مقالہ ختم ہو جانے پر بھی اشارہ تک اس کی طرف کہیں نہیں ملا۔ ورق الٹ کر دوبارہ جستجو کی مگر لاحاصل۔ حد ہے کہ محترم مقالہ نگار یہ تو تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"کیا عین جنگ شروع ہونے کے وقت بھی شام کے تمام علماء جیلوں میں نہیں سڑ رہے تھے"۔

مگر یہ انھیں اس موقعہ پر بھی یاد نہیں آیا کہ شامی علماء سے کہیں زیادہ تعداد میں اخوانی مظلوم بھی جیلوں ہی میں سڑ رہے تھے اور سڑ رہے ہیں۔ شام میں علماء کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ تو اتنا بھی نہیں جتنا مصطفےٰ کمال پاشا کے دور میں ترکی علماء کے ساتھ ہوا تھا حالانکہ مصر میں علماء کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ ترکی سے کہیں زیادہ سخت ہے — بلکہ سچ پوچھئے تو جس طرح عربوں کی تازہ شکست اپنی خصوصی

تفصیلات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں بمثال شکست ہے اسی طرح اخوان المسلمون پر ڈھائے گئے مظالم بھی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ مگر حیرتناک ہے یہ بصیرت مومنانہ کہ شام کے زندانی علماء تو محترم و مکرم مقالہ نگار کو نظر آگئے مگر مصر کے وہ اخوانی نظر نہ آئے جن کے عضو عضو کو درندوں کی طرح چبایا گیا ہے۔ جن کے بند بند کو جلادوں کی طرح توڑا گیا ہے۔ جن پر جبر و تشدد کے ہمالیہ ڈھا دیئے گئے ہیں اور ڈھائے جا رہے ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ تمام عرب ممالک کا نام تو محض ان کے قومی اور جذباتی رشتوں کی وجہ سے آرہا ہے ورنہ حقیقی اصل میں مصر و اسرائیل ہی کی ہے۔ فقط ایک اردن تھا جس کی بیس ہزار سپاہ اسرائیل سے جنگ آزما ہوئی ورنہ اسی ہزار فوج اکیلے مصر کی تھی اور شام بعد میں شامل ہوا جب کہ لڑائی نمٹنے والی تھی۔ اس حقیقی صورت حال کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جیتنے والا اسرائیل ہے اور ہارنے والا مصر۔ پھر کیوں محترم مقالہ نگار کا ذہن شامی حکومت کے اس کردار پر تو فوراً منتقل ہوگیا کہ اس نے علماء کو جیل میں ڈالا۔ مگر مصری حکومت کے اس کردار پر توجہ بالکل نہ ہوئی کہ اس نے اخوان المسلمون کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے۔

ادارۂ بینات کی طرف سے مقالہ نگار کی منقولہ بالا عبارت پر ایک حاشیہ بھی دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"یہ علمائے کرام (شامی علماء) غالباً اب بھی زنداں خانہ ہی کی تاریکی میں اپنی قوم کی سیاہ بختی پر ماتم کر رہے ہوں گے۔ کہنا چاہئے کہ عرب قوم یہود سے اسی دن شکست کھا گئی تھی جب کہ منبر و محراب پر اجہاد الجہاد کی نفیر عام سے قوم کو بیدار کرنے والے علماء کو تہ زنداں کر دیا گیا۔ کسی قوم کی پہلی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کے وجود اور ان کے انفاس قدسیہ سے وہ اپنے آپ کو محروم کر لیتی ہے۔"

ایک ایسا آدمی جو حق و صداقت کے معاملے میں کسی جانبداری کا قائل نہ ہو اس حاشیے پر یہی عرض کر سکتا ہے کہ مولانائے محترم! عرب قوم نے شکست اُس دن نہیں کھائی جب شامی علماء کو جیل میں ڈالا گیا بلکہ یہ شکست تو اس سے بہت پہلے اس وقت مقدر ہو چکی تھی جب اخوان المسلمون پر دست درازی کی گئی تھی۔ اور پھر جوں جوں ظلم و تعدی میں اضافہ ہوتا گیا یہ شکست نزدیک تر آتی گئی۔ اخوانی فقط شب بیدار عابد اور خالی فتویٰ نویس ہی نہ تھے مجاہد اور شہسوار بھی تھے۔ حرب و ضرب کے میدانوں نے ان کی تیغ زنی ایک سے زائد بار دیکھی تھی۔ یہودی اگر کسی سے خائف تھے تو اخوان المسلمون کے جاں بازوں سے۔ یہی جانباز جس دن مصری اقتدار کے نزدیک مکھی مچھر کی طرح مسل ڈالنے کے مستوجب قرار پائے تو یہی دن یہود کے لئے عید کا دن تھا اور اسی دن مصر کے لئے ایک ذلیل ترین ہزیمت اور رسوا کن پسپائی کا بیج مستقبل کی زمین میں پڑ گیا تھا کیسا بھولا ہے یہ تقویٰ اور کیسی سادہ لوح ہے یہ بصیرت عالمانہ کہ شام کے علماء تو کھٹ سے یاد آتے ہیں جنھیں فقط زنداں میں ڈالا گیا پھانسیوں پر نہیں چڑھایا گیا مگر وہ مصری علماء اور داعیان حق بالکل یاد نہیں آتے جنھیں دن دہاڑے پھانسیاں دی گئیں۔ ہولناک اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ جن کی عورتیں تک بہیمانہ ظلم و جور کے شکنجے میں کسی گئیں اور جن کے لئے آج بھی دم مارنے کی کوئی گنجائش سرزمین مصر میں نہیں ہے۔ خدا تو حکم دیتا ہے کہ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا کسی قوم کا بغض تمہیں اس گناہ پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو ــــ مگر ہمارے تقہ ارباب تقویٰ کا یہ عالم ہے کہ ایک ناپاک تعصب، ایک تہہ نشین بغض ایک طبع زاد نفرت انھیں اپنی ہی قوم کے ایک عنصر کے ساتھ انصاف کرنے سے روکے ہوئے ہے۔ وہ فقط اس خوف سے کہ ــــ

اخوان المسلمون کی مظلومیت کا تذکرہ جماعتِ اسلامی والوں کے لئے خوش کن ہوگا قلم کی نوک پر اس بے مثال تاریخی ظلم و تعدی کا ذکر نہیں آنے دیتے جس نے چنگیز و ہٹلر اور ابن حجاج جیسے جباروں کی تاریخِ جبر و تشدد میں ایک شاندار باب کا اضافہ کیا ہے۔

کوئی حرج نہیں۔ دنیا تو لباس تقویٰ سے دھوکا کھا سکتی ہے مگر وہ علام الغیوب دھوکا نہیں کھا سکتا جو اخلاص اور مصلحت پرستی کے آمیزے سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ اخوانی کسی اور خدا کے پیدا کردہ تو نہیں۔ وہ بھی اسی خدا کے پیدا کردہ ہیں جس نے ہمیں خلعتِ وجود عطا کیا ہے۔ اگر نفرت ظلم و طغیان سے ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ چھوٹے مظلوم تو یاد آئیں اور بڑے مظلوم حافظہ سے اُتر جائیں۔ موقعہ قدرتاً اس کا تھا کہ سب سے پہلے اخوان ہی یاد آتے۔ مگر انھیں یکسر فراموش کر دیا گیا۔ حیرت اس پر ہے کہ یہ اسوہ ان حضرات کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے جن سے توقع تھی کہ ان کا انصاف بے لاگ ہوگا۔ وہ حق گوئی کے معاملے میں بے جھجک ثابت ہوں گے۔

اب زندقہ کا نمونہ بھی دیکھتے چلئے:-

اخبار الجمعیۃ کا نام آپنے سنا ہوگا۔ نہ سنا ہو تو اتنا تعارف ہم کرا سکتے ہیں کہ فرعونیت کے مومن قصیدہ خوانوں میں ایک امتیازی درجہ اسے حاصل ہے۔ اس سے زیادہ تعارف درکار ہو تو ایک ایسی مسجد کا تصور کیجئے جس پر شرنارتھیوں نے قبضہ جما لیا ہو۔ ایسی مسجد کی دیواروں پر آپ کو گوبر کی تھاپ بھی نظر آئے گی اور کسی نہ کسی گوشے میں مورتیاں بھی دکھائی دیں گی۔

اس اخبار کا ایک اور نمایاں وصف یہ ہے کہ بعض معاملات و مسائل میں اس نے سیاہی کا نام سفیدی، ظلم کا نام عدل، نمکولی کا نام انگور اور ہدایت کا نام گمراہی رکھ رکھا ہے۔ ایک مدیر محترم کو چھوڑ کر اس کے تقریباً تمام کارپرداز چھوٹے چھوٹے مفادات کے پجاری ہیں۔ خوفِ آخرت نام کی کوئی چیز ان کے پڑوس تک میں نہیں بستی۔ علم و متانت سے انھیں کلی فراغت ہے اور اپنے سوا دنیا بھر کو احمق سمجھنا ان کی عادتِ ثانیہ ہے۔

اسی اخبار کی ۲۳ جولائی ۶۷ء کی اشاعت میں چشم بددور عرب جمہوریہ کے سفیر برائے بھارت عیسیٰ سراج الدین کے ایک نامۂ گرامی کے اقتباسات شائع کئے گئے ہیں۔ اس خط کی شانِ نزول یہ ہے کہ مولوی اسعد میاں صاحب نے موصوف کو عریضہ لکھا تھا جس میں بقول الجمعیۃ:

"ان الزامات اور ان پروپیگنڈوں کے متعلق وضاحتی استفسارات کئے تھے جنھیں ان دنوں ہندوستان میں متحدہ عرب جمہوریہ اور صدر ناصر کو بدنام کرنے کے لئے دین و اسلام کے نام پر ایک مسلم جماعت، لکھنؤ کے بعض خود ساختہ قائدین اور ان کے ترجمان لکھنؤ اور دہلی کے بعض اخبارات ہر جگہ مشتہر کر رہے ہیں اور دین و مذہب سے تعلق رکھنے والے عوام کو غلط فہمیوں اور بدگمانیوں میں مبتلا کر رہے ہیں۔"

اسی خط کے جواب میں سفیر صاحب نے اپنے ملک کی صفائی پیش کرنے کی مضحکہ خیز کوشش کی ہے۔ مضحکہ خیز اس لئے کہ وہ زندقہ اور لفظی بازی گری کا ایک بھدا اور مبتدیانہ نمونہ ہے زندیقی ہی کی راہ اختیار کرنی تھی تو اس کا سبق کچھ دنوں سفیر صاحب پاکستان کے منکرین حدیث یا امت قادیانیہ کے سربراہوں سے لیتے۔ یہ حضرات زندیقی کی تکنک میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ان کا دام ہمرنگِ زمین اچھوں اچھوں کو دھوکا دے جاتا ہے ـــــ مگر سفیر صاحب اس راہ کے نوگرفتار معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے کوشش تو کی مگر اتنی طفلانہ اور بے مغز کہ ادارۂ الجمعیۃ کے مستند جہلاء کے سوا شاید کوئی بھی پڑھا لکھا اس پر مسکرائے بغیر نہ رہے۔

خط کے مندرجات پر کچھ عرض کرنے سے پہلے ہم قارئین کی توجہ الجمعیۃ کے اُس ریمارک کی طرف دلاتے ہیں جسے اوپر کی سطروں میں ابھی نقل کیا ہے۔ یہ ریمارک

جہل مرکب اور بے حیائی کا شاہکار ہے۔ گویا اس ادارے کے نزدیک تمام وہ علماء، مشاہدین اور باخبر حضرات تو جھوٹے اور افترا پرداز ہیں جو دلی درد اور صدمے کے ساتھ مصر کی اسلام دشمنی اور تجدد پسندی کا تذکرہ روشن دلائل و شواہد کی روشنی میں کرتے ہیں۔ جھوٹے ہی نہیں مجنوں اور خبطی بھی ہیں کہ انھیں خواہ مخواہ عرب جمہوریہ اور صدر ناصر سے بیر ہوگیا ہے۔ بس فرزانہ اور حق پسند اگر کوئی ہے تو ادارۂ الجمعیۃ۔ جس کے اکثر شعبہ کا حال یہ ہے کہ قرآن کو ناظرہ پڑھنے کی توفیق بھی شاید کبھی بچپن ہی میں نصیب ہوئی ہو تو ہوئی ہو۔ جاہل اور خودسر۔ چند سکونگی اظہر نگی تصویریں چھاپ دیں۔ سود کے اشتہار چھاپ دیں۔ فلموں کے اعلان چھاپ دیں۔ نہ خوفِ خدا نہ شرم نیا۔

ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ کسی ملک کی حقیقی حالت جاننے کے لئے اس کے تنخواہ دار سفیروں کی تحریر و تقریر اور بیانات پر اعتماد کرنا احمقوں یا پھر بچے بچوں ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اپنے ہی ملک پر نظر ڈال لیجئے۔ یہاں کتنے فسادات ہوئے۔ ان میں کتنے مسلمان مارے گئے۔ کتنا مال برباد ہوا۔ پھر نہ قاتلوں کو پھانسی ملی نہ واقعات کی عدالتی تحقیقات ہوئی۔ یہاں ملازمتوں میں مسلمانوں کیساتھ امتیازی سلوک ہے۔ زبان کے معاملے میں کھلی ہٹ دھرمی ہے اسکولوں کے کورس میں اسلام دشمن تعلیمات کی بھرمار ہے۔ لاکھ چیخئے جاؤ کوئی نہیں سنتا۔ درجنوں زیادتیوں کا نوحہ خود الجمعیۃ کے صرف ایک سال کے فائلوں میں مدیر محترم کے قلم سے مل جائے گا۔ مگر دنیا بھر کے ملکوں میں کسی ایک بھارتی سفیر کے بیانات یا تقریر و تحریر میں آپ ان حقائق کی پرچھائیں تک نہیں پاسکتے۔ پرچھائیں کیا معنی۔ وہاں تو آپ یہ نوید جانفزا پائیں گے کہ بھارت میں ہر بھارتی کو بلا امتیاز مذہب و ملت مساوی حقوق حاصل ہیں۔ رواداری و وسیع ظرفی کا دریا بہہ رہا ہے۔ عدل و مساوات کی فصل بہار لہلہا رہی ہے۔ ہندو مسلم، سکھ، عیسائی گلے مل مل کر عید کی بین بجا رہے ہیں۔

سفیروں کی ڈیوٹی آخر اس کے سوا ہے بھی کیا کہ اپنے ملک کی ہر برائی کو چھپانے کی کوشش کریں اور اگر وہ کسی نہ کسی طرح کھل ہی جائے تو پھر حسن تاویل اور لفظی ہیر پھیر کے ذریعے لیپا پوتی کا کمال دکھائیں۔ جس کا کھانا اسی کا گانا۔ یہ ہے سفیروں کے فرائض منصبی کا خلاصہ۔ پھر بھی اگر ادارۂ الجمعیۃ عرب جمہوریہ کے سفیر صاحب کے خط کو وحی آسمانی کے انداز میں پیش کرتا ہے تو اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ اسے متانت و معقولیت سے کوئی سروکار نہیں۔

ہم جناب سفیر صاحب کے ارشادات کا کوئی نوٹس نہ لیتے۔ لیکن چونکہ انھوں نے از راہ زندقہ قرآن و حدیث کے خلاف بھی اپنی لاطائل باتوں پر چڑھائے ہیں اس لئے ہم قرآن و حدیث کے ایک خادم کی حیثیت میں تجزیہ کی زحمت اٹھانے پر آمادہ ہوئے ہیں۔

سفیر صاحب چند رسمی سطور کے بعد رقمطراز ہیں:۔

> "متحدہ عرب جمہوریہ نے آج تک عرب عوام کی مشکلات کا علاج تلاش کرنے کے سلسلے میں جتنی بھی کوششیں کی ہیں ان کی اصل بنیاد عوام کے درمیان عدل و انصاف کی اشاعت اور ان کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے کی جدوجہد پر ہے۔ متحدہ عرب جمہوریہ کی یہ کوشش رہی ہے کہ اجتماعی ظلم و ستم اور استعماریت کے جتنے بھی نشانات ہیں ان سب کو یکسر ختم کردیا جائے۔"

ہمیں کوئی بتائے ان فرمودات کی حقیقت سوائے لفاظی اور چرب زبانی کے اور کیا ہے۔ دنیا میں کوئی حکومت ایسی نہیں جو انصاف کی دعویدار نہ ہو۔ جو یہ اعتراف کرے کہ ہم عوام کے دشمن ہیں۔ خدا بیزار روس بھی یہی سب اس سے کہیں زیادہ دلکش اور ترشے ہوئے الفاظ میں دہراتا رہتا ہے۔ پھر کیا الفاظ کی بازی گری سیاہ کو سفید اور نجس کو طاہر بنا سکتی ہے۔ کون نہیں

جانتا کہ کمیونزم کی زبان میں مذہب بھی استعماریت ہی کا آلۂ کار ہے۔ چنانچہ جب کوئی کمیونسٹ قائد یہ کہتا ہے کہ ہم نے عوام دشمن استعماریت کے ہر ہر نشان کو مٹا ڈالنے کا بیڑا اُٹھایا ہے تو اس کا طے شدہ مفہوم یہی ہوتا ہے کہ مذہب سمیت ہم ہر اس چیز کو مٹا دیں گے جو ہمیں مالیند ہے۔ آج کے مصر نے کمیونزم سے جو رشتہ جوڑا ہے اسکے پیش نظر یہ بالکل قرینِ قیاس ہے کہ سفیرِ مصر جب استعماریت کے نشانات کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے تحت الشعور میں بھی ان نشانات کی وہی فہرست ہوتی ہے جو کمیونسٹوں نے تیار کی ہے۔ تحت الشعور کا لفظ ہم نے احتیاطاً کہدیا ورنہ واقعات جو کچھ سامنے آتے رہے ہیں وہ تو یہی بتاتے ہیں کہ خداوندانِ مصر نے قرآن و سنت والے اسلام کو پورے عزم و شعور کے ساتھ استعماریت کے اُن نشانات میں شامل کر رکھا ہے جنھیں مٹا ڈالنا ضروری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ از راہِ زندقہ وہ مالا اسلام ہی کی جپتے رہیں اور نقاب اپنے عزائم کے چہرے پر اسلام ہی کا ڈالے رکھیں۔

آگے سنیئے:۔

"متحدہ عرب جمہوریہ نے اس سلسلے میں جتنی بھی سعی کی ہیں وہ سب دینِ حنیف کی روح کو سمجھنے کے بعد کی ہیں۔"

دیکھ لیا آپنے۔ کوئی بھی صاحب علم و مطالعہ اس سے بے خبر نہیں ہے کہ "دین کی روح" کا حوالہ متجددین و محرفین کا امتیازی طرّہ ہے۔ قرآن کی آیات محکمات اور حدیث کی صریح عبارتیں کچھ کہے جائیں یہ زنادقہ اور مغرب گزیدہ حضرات ان آیات و نصوص میں اپنے نفسانی خیالات کی ایک موہوم روح پیدا کرتے ہیں اور اس روح کو نام دیتے ہیں روحِ اسلام کا۔ بے پردگی، مرد و زن کا اختلاط مباح۔ سود حلال۔ ایک سے زیادہ بیوی رکھنا حرام۔ بیٹے اور بیٹی کے ترکے میں فرق کرنا ظلم۔ پوتے کو وارث نہ بنانا خدا کی بھول۔ عوام کے ہر مال کو قومیا لینا عینِ انصاف۔ اور یہ سب ٹھیک اُس روحِ اسلام کے مطابق ہے جسے ان حضرات نے معدے اور حلق کی مواصلت سے پیدا کیا ہے۔ بس اسی روح کے حوالے سے سفیرِ مصر بھی شان کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ

"متحدہ عرب جمہوریہ کے افکار قرآن کریم اور حدیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نصوص و تصریحات کی روشنی میں قائم کئے گئے ہیں۔"

دعوے کرنے میں کونسے ہاتھی گھوڑے لگتے ہیں۔ کوئی متجدد اور تحریف کار یہ نہیں کہتا کہ میں قرآن و حدیث کو نہیں مانتا۔ ایسا کہدے تو زندیق کی بجائے کافر ہی نہ کہلائے۔ اشتراکیت کا جو نظام مصر میں جاری کیا گیا ہے وہ سر سے پاتک اسلامی نظامِ معیشت کے خلاف اور قرآن و حدیث کے طے کئے ہوئے صریح و محکم اصولوں کو مسترد کرنے والا ہے پھر بھی سفیرِ مصر قرآن و حدیث کو اس کفر سامانی کے حق میں بایں طور گواہ بنا کر لاتے ہیں کہ:۔

"قرآن کریم کا ارشاد ہے وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ۔ اس شکریہ میں خرچ کرو کہ باری تعالیٰ نے تمھیں دولت کے معاملے میں خلیفہ بنایا ہے دوسری آیت ہے کما لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم تاکہ یہ مال اغنیاء ہی کے درمیان گھومنے والی چیز نہ بن جائے۔

احادیث میں وارد ہے۔ الناس شرکاء فی الماء والکلاء والنار ان اللہ فرض علی اغنیاء المسلمین فی اموالھم بقدر الذی یسعی فقراءھم سب لوگ پانی سبزہ اور آگ میں مشترک حقوق کے مالک ہیں اللہ تعالیٰ نے مالداروں کے مال میں سے فقراء کی ضروریاتِ زندگی کے بقدر صرف کرنا فرض قرار دیا۔"

ذرا سورۂ حدید کھول کر وہ پوری آیت ملاحظہ فرمائیے جسے پہلی سطر میں لایا گیا ہے اور دیکھئے کہ اللہ نے کیا ارشاد فرمایا ہے اور جنابِ سفیر اس سے کیا فائدہ حاصل کرتا

چاہتے ہیں۔

آیت میں فرمایا گیا کہ ــــ "اے لوگو اللہ اور رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اس مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو، جس میں اس نے تمھیں قائم مقام بنایا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ان کے لئے بڑا اجر ہے۔"

دنیا بھر کے کسی مفسر کی تفسیر اور کسی مترجم کا ترجمہ اُٹھا کر دیکھ لیجئے اس آیت کا مفاد و مقصود اس کے سوا کچھ نہ پائیں گے کہ جن لوگوں کو اللہ نے ان کے خرچ سے زیادہ مال دے رکھا ہے انھیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے یہ ترغیب اخلاقی نوع کی ہے قانونی نہج کی نہیں اور اس ترغیب میں یہ بھی ہرگز نہیں کہا گیا کہ سارا فاضل مال لازماً خرچ کر دو۔ مگر سفیر صاحب اس آیت کو خداوندانِ مصر کے ان اقدامات کے جواز میں پیش فرما رہے ہیں جو انھوں نے اشتراکی فلسفہ کے تحت کئے ہیں اور جن کے ذریعے عوام الناس کے اموال پر زبردستی قبضہ جما لیا گیا ہے۔

آیت سے جو اُمور واضح طور پر مستفاد ہیں وہ یہ ہیں کہ

(۱) فاضل دولت کو اللہ تعالیٰ نے خود صاحب دولت ہی کی ملک رکھا۔ اس کی ملک نہ رکھتا تو انفاق کی ترغیب کے کوئی معنی ہی نہ تھے۔ نہ اجر کبیر کا سوال پیدا ہوتا کیونکہ اجر تو اسی صورت میں مل سکتا ہے جب کوئی شخص اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرے۔

(۲) خدا نے صاحب مال کے علاوہ کسی اور کو آرڈر نہیں دیا کہ اس صاحب مال کا فاضل مال اپنے قبضے میں کر لو۔

(۳) مجرد انفاق کی تلقین کی گئی۔ یہ نہیں فرمایا گیا کہ فاضل مال سارے کا سارا فوراً تقسیم کر دو۔

اِن اُمور کے بالمقابل ذرا اس اشتراکی طریق عمل پر نگاہ ڈالئے جس کی توثیق و حمایت میں یہ آیت کھینچ لائی گئی ہے۔ اشتراکی طریق عمل یہ ہے کہ حکومت اپنی صوابدید سے لوگوں کے اموال ہتھیاتی ہے اور انھیں اپنی ہی مرضی سے جہاں چاہے خرچ کرتی ہے۔ یہ اموال راہِ خدا میں تو شاید ہی کبھی خرچ کرتے ہوں عموماً ایسے منصوبوں میں خرچ ہوتے ہیں جو خلافِ شرع اجزاء سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کے ذریعے ارباب اقتدار کے لئے عیش کے سامان مہیا ہوتے ہیں۔ یا پھر یہ ایسی اسکیموں میں صرف کر دیئے جاتے ہیں جن کا بعید تر تعلق بھی خدا کی رضا جوئی سے نہیں ہوتا۔

دوسری آیت کے لئے سورۂ حشر کھولئے:۔

قرآن میں ذکر بنو نضیر کی جلاوطنی کا ہو رہا ہے جو یہودی تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

"اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو جو کچھ کافر لوگوں سے (بطور فے) دلوا دے تو وہ اللہ کا حق ہے اور رسولؐ کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا تاکہ (وہ مال فے) تمھارے دولتمندوں ہی کے حلقے میں گھومتا نہ رہ جائے۔"

"فے" اس مال کو کہتے ہیں جو زمانۂ جنگ میں لڑے بھڑے بغیر ہاتھ آجائے۔ جیسے باغ فدک اور خیبر کا ایک حصہ حضورؐ کے ہاتھ آیا تھا۔ اسی مال کے سلسلے میں وہ آیت آئی ہے جسے سفیر صاحب نے اپنے ملک کی اشتراکیت نوازی کے لئے بطور استدلال گھسیٹا ہے مسخرہ پن نہیں تو اور کیا ہے کہ آیت ایک مخصوص موقع پر مخصوص مال کے لئے آئی پھر اس میں اشارہ تک ایسا موجود نہیں کہ نام نہاد اشتراکیت کے لئے کوئی ذرہ برابر جواز ہاتھ آسکے مگر سفیر صاحب اسے بے محابا اپنے دور دراز مدعا کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ غالباً وہ جانتے ہیں کہ جن مولوی اسعد کو وہ خط لکھ رہے ہیں ان کے علم قرآنی کا جغرافیہ کیا ہے اور جو لوگ مولوی اسعد کے پیچھے چل رہے ہیں ان کو شریعت کا علم کتنا ہے۔ اسی لئے انھوں نے معقولیت اور نامعقولیت کی پروا کئے بغیر جو چاہا گھسیٹ دیا۔ باقی پہلے ہی سے طے کر لیا ہوگا کہ مولوی اسعد ایک خط لکھیں اور

سفیر صاحب اس کے جواب میں کچھ آیات و احادیث ٹانک کر جواب عنایت کردیں تاکہ اسے اخبار میں چھاپ کر جاہلوں اور سادہ لوحوں کو احمق بنایا جائے۔

ذرا اس حدیث پر بھی نظر ڈال لیجئے جو شاملِ استدلال کی گئی ہے۔

جب حضورؐ فرماتے ہیں کہ تمام لوگ پانی، سبزے اور آگ میں برابر کے شریک ہیں تو اس سے آپ سے آپ واضح ہوجاتا ہے کہ باقی چیزوں میں وہ شریک نہیں ہیں۔ اب کوئی سفیر صاحب سے پوچھے کہ عزت مآب جمال عبدالناصر پر یہ اعتراض کس نے وارد کیا تھا کہ انھوں نے آگ، پانی یا سبزے میں لوگوں کو برابر کا شریک کردیا۔ اگر یہ اعتراض نہیں کیا گیا تو اس حدیث کو سامنے لانے سے حاصل؟

رہا دوسرا فقرہ۔ تو ہمیں اس وقت مستحضر نہیں کہ یہ اسی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے یا الگ کوئی حدیث ہے۔ بہرصورت اس فقرے سے اس کے سوا کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے امیروں پر غریب پروری لازم کی ہے۔ کس حد تک اور کس نوع کی غریب پروری۔ تو اس کا علم اسوۂ صحابہ سے حاصل ہوتا ہے۔ عملِ پیغمبر سے ملتا ہے۔ کیا حضورؐ نے بھی کبھی ایسا کوئی اقدام فرمایا جو آج کل کے نام نہاد فلسفۂ اشتراکیت سے جوڑ کھاتا ہو۔ کیا انھوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عثمان غنیؓ جیسے دولت مند صحابہ کی فاضل دولت اپنے قبضے میں لیکر غریب صحابہ میں تقسیم کردی۔

ظاہر ہے کہ غربا پروری اور صدقہ و خیرات تو محبوب ترین چیزیں ہیں ہی مگر ان کی آڑ لے کر اشتراکیت کا جواز لانا قرآن و حدیث کے ساتھ بے رحمانہ کھیل کھیلنا ہے۔

خط کا ایک ٹکڑا اور ملاحظہ ہو:۔

"اسی طرح متحدہ عرب جمہوریہ کے اس موقف کے لئے بعض کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے تجربات بھی مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر مجھے ان چیزوں کا پہلے سے اندازہ ہوتا جو اس وقت درپیش ہیں تو مالداروں کے زائد از ضرورت اموال فقراء پر تقسیم کردیتا۔"

"اسی طرح" سے مراد سفیر صاحب کی یہ ہے کہ جس طرح منقولہ آیات و احادیث میں فلسفۂ اشتراکیت بیان ہوا ہے ـــ اور متحدہ عرب جمہوریہ کے موقف سے مراد وہی نام نہاد اشتراکیت ہے جس کی وکالت فرمائی جارہی ہے۔ اب یہ قارئین خود فیصلہ کریں کہ مذکورہ آیات و احادیث نقل کرکے "اسی طرح" کہنا جہالتِ فاحشہ ہے یا علم و دیانت۔

اپنی کفر سامانیوں کے جواز میں غریب صحابہ کو کھینچ کر لانا اور چبا چبا کر چند چٹکلے چھوڑ جانا عہد حاضر کے زنادقہ کی عام عادت ہے۔ سفیر صاحب بتائیں تو کہ حضرت عمرؓ نے مذکورہ بات کس موقعہ پر کہی تھی اور ان کا مقصود کیا واقعۃً یہی تھا کہ اغنیاء کے سارے فاضل اموال پر اپنی حکومت کا قبضہ جمادیں۔

اگر حضرت عمرؓ کا مطلب یہی تھا تو آخر کس نے انھیں روکا تھا کہ جس وقت یہ ارشاد فرمایا گیا اس کے بعد انھوں نے ایسا کوئی اقدام نہیں کیا۔ بڑے پیمانے پر نہ سہی چھوٹے ہی پیمانے پر سہی۔ کوئی تو نظیر سامنے آتی کہ کسی دولتمند کے اموال پر انھوں نے اسلامی شریعت کے معروف قواعد سے ہٹکر حکومت کا یا غربا و مساکین کا قبضہ کرادیا ہو۔

پھر اکیلے حضرت عمرؓ ہی تو خلیفہ نہیں ہوئے ہیں۔ باقی تینوں خلفاء میں سے کسی ایک کا تو کوئی ایک ہی اقدام ایسا دکھلادیا جائے جو موجودہ مصر کے اختیار کردہ فلسفۂ اشتراکیت سے برائے نام ہی جوڑ کھاتا ہو۔ یہ خوب ہے کہ جو کردار و عمل تمام خلفاء اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنے ہے وہ تو کچھ نہیں مگر فقط ایک خلیفہ کا ایک مفروضہ اقدام سب کچھ ہے جو امکان اور تخیل کے دائرے سے باہر نہیں آسکا۔ یہ طرزِ فکر وہی شخص اختیار کرسکتا ہے جس نے ہٹ دھرمی کو

شعار بنالیا ہو۔

آگے چلیئے :۔

"متحدہ عرب جمہوریہ جو عرب نیشنلزم کی دعوت دیتا ہے اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ وطنِ عربی کو استعماری طاقتوں سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ چونکہ عربوں میں دینی، تاریخی اور لسانی اعتبار سے اتحاد کے زبردست عوامل ہیں، ان کے باہمی مفادات، ان کی مصلحتیں، انکی امیدیں ان کی مشکلات اور ان کے مصائب یکساں ہیں لہذا متحدہ عرب جمہوریہ ایک ایسی قوم کی تشکیل کرنا چاہتا ہے جو اپنے شاندار ماضی کی طرح مستقبل میں بھی بلند حوصلوں اور شرافت و اخوت کے پیغام کی حامل ہو۔ اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ عرب امنِ عالم اور انسانیت کو استعماری طاقتوں سے نجات دلانے کے لئے شاندار اور مؤثر کردار ادا کرسکیں۔"

کئی بار پڑھ کر دیکھئے۔ سوائے کھوکھلے اور مستعار لئے ہوئے الفاظ کے اس عبارت میں اور بھی کچھ ہے۔ روس سے لئے ہوئے چند الفاظ کی رٹ اور ناقص و ناتمام گل افشانیٔ سوال یہ ہے کہ بجائے اسلام کے اس قومیت کی دعوت دینا جسے احادیث صحیحہ میں ملعون و مردود قرار دیا گیا ہے اسلام سے نفور نہیں تو پھر نفور کسے کہیں گے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے تو اتحاد و اخوت کی بنیاد ایمان و اسلام کو بنایا تھا۔ جو ایمان نہیں لایا اسے عرب نژاد ہونے کے باوجود حریف اور نجس قرار دیا گیا۔ وہ سارے دینی، تاریخی اور لسانی عوامل جن کی دہائی آج دی جارہی ہے آخری پیغمبرؐ کے زمانِ مبارک میں بھی عربوں کے مابین موجود تھے۔ لیکن پیغمبرؐ نے تو قومیت کی بنیاد پر دعوتِ اتحاد نہیں دی بلکہ قومیت کے جاہلی تصور سے نفرت و استکراہ کا اظہار بار بار کرتے رہے اور ان کے آخری خطبے تک میں نمایاں طور پر یہ نفرت و استکراہ موجود ہے۔ پھر بھی اگر اہل نظر یہ کہیں کہ جمہوریہ عرب کا نیشنلزم اسلامی رشتۂ اخوت کے خلاف ایک شیطانی سازش اور دینِ خداوندی کے خلاف ایک باغیانہ اقدام ہے تو انھیں غلط گو کیسے کہا جاسکتا ہے۔

مزید سنیے :۔

"بعض لوگ جو پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مصری قوم اپنی فرعونیت پر فخر و ناز کرتی ہے اور اسی قسم کی باتیں صدر جمال عبدالناصر کی زبان سے بھی نکلی ہیں تو یہ محض بہتان و افترا ہے۔"

یہ حقائق کو جھٹلانے کی ایسی ہی ننگی کوشش ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ جو لوگ بھارت میں فسادات کی بات کرتے ہیں وہ افترا پرداز ہیں۔

سفیر صاحب بتائیں کہ قاہرہ کے چوک میں فرعون کا مجسمہ کس نے نصب کیا۔ شاہراہوں اور پارکوں کے نام فرعون کے نام پر کس نے رکھے۔ ڈاک کے ٹکٹوں پر فرعون کی تصویر کس نے چھاپی۔ جمال عبدالناصر کی تقاریر میں فرعونیت پر فخر و مباہات کا عنصر کس نے شامل کیا۔۔۔؟

ابلہ فریبی کا شاہکار استدلال کے خاتمے پر ملاحظہ ہو

"مصر نے فتنۂ تاتار اور صلیبی جنگوں کے موقعہ پر جو کردار ادا کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور مصر آج تک اپنی اسی روش پر قائم ہے۔"

یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم یوں کہیں کہ ہم مسلمانوں نے بدر و احزاب اور روم و فارس کی جنگوں میں شاندار کردار ادا کیا ہے اور آج تک ہم اسی کردار پر قائم ہیں۔

فتنۂ تاتار اور صلیبی جنگوں میں جو کردار ادا کیا گیا اگر مصر اسی پر قائم رہتا تو دنیا بھر کے علماء حق اور شاہد کا دماغ خراب نہیں ہوا تھا جو اس کے دین و مذہب کا نوحہ پڑھتے اور فرعون نوازی کے گلے کرتے۔ مصر تو کیا اگر خدانخواستہ حجاز بھی اسلام دشمنی کی راہ اختیار کرے گا تو ہم اور تمام اہلِ حق اس پر احتجاج ہی کریں گے۔ ہمارا رشتہ عرب سے دینی رشتہ ہے۔ دینی اصول و اقدار کو پامال کرنے والا عرب ہو یا عجم اس سے ہمیں محبت نہیں ہوسکتی۔ قومیت

کے بت کی پوجا قوم پرستوں کو مبارک۔ ہم صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کے پجاری ہیں جو حجاز و مصر میں مقید نہیں۔ جو آفاقی ہے۔ لامکانی ہے اور اس کا دین ہی ہماری شہ رگ ہے۔ یہ بات اگر قوم پرستوں کو بُری لگتی ہے تو وہ انگارے چباتے رہیں۔ خباثتِ نفس اور کمینگی کی انتہا ہے کہ اگر عرب جمہوریہ کی ــــ یا زیادہ صحیح الفاظ میں مصر کی حالیہ شکستِ فاش کے اسبابِ معنوی کا تجسس کرتے ہوئے دردمندانِ اسلام اور علماء و فضلاء ان بدکرداریوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو دین و اخلاق کے رُخ پر اشتراکیت پسند اور قوم پرست مصر کی طرف سے سامنے آتی رہی ہیں تو فرعونیت کے خیمہ بردار اسے عرب دشمنی اور اسرائیل دوستی سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ اول تو مصر کے جمال ناصر یا اُردن کے شاہ حسین یا کسی بھی عرب ملک کے سربراہ سے پرخاش اور بغض کا کوئی منطقی جواز پایا ہی نہیں جاتا۔ ہمارا یا کسی بھی عالم کا ان لوگوں نے کیا بگاڑا ہے یا ہمارے کون سے مفادات ان کے کسی اقدام سے متاثر ہوئے ہیں جو ہمیں ان سے کد اور عداوت ہو۔ دوسرے ان حضرات کے اسوہ و کردار پر تنقید کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ پوری دنیائے عرب پر تنقید کی جارہی ہے۔ صرف شمالی یا جنوبی ہندوستان کا نام اگر کوئی بھارت ورش رکھ لے تو کیا واقعتہً بھی بھارت اتنا ہی محدود ہو جائے گا۔ قیادت کے شوق میں کسی نے خانہ زاد طور پر اپنے گھر کا نام متحدہ عرب جمہوریہ رکھ لیا ہے تو اہلِ نظر پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہ بھی احمقوں کی طرح ہاں میں ہاں ملائیں۔ جس وقت ہم جمال ناصر کے بعض غیر اسلامی بلکہ اسلام دشمن اقدامات کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کے عقب میں نہ عرب دشمنی ہوتی ہے نہ کسی کی ذاتی عداوت۔ اگر کچھ ہوتا ہے تو صرف وہ جذبہ و احساس جسے حدیث میں الحب فی اللہ والبغض للہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کون بدنصیب اور خیرہ سر مسلمان ہو سکتا ہے جسے

عربوں کی حالیہ رسوا کن شکست پر دلی صدمہ نہ پہنچا ہو۔ کس مسلمان کا قلب بیت المقدس پر یہود کے قبضے سے خون کے آنسو نہ روئے گا۔ لیکن بڑے دکھ اور تشویش کی بات یہ ہے کہ جن حضرات کے ہاتھوں میں دنیائے عرب کی زمام کار ہے ان کی طرف سے اب تک کسی ایسے اقدام و عمل کا مظاہرہ نہیں ہوا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ فرعونی مادیت سے ہٹ کر بھی ان کا ذہن کسی اور طرف منعطف ہوا ہو۔ خدا کے فیصلے اسباب و علل ہی کے قالب میں ڈھل کر ظہور کرتے ہیں لیکن اسباب و علل کے پیچھے اصل کارفرمائی سوائے مرضیِ خداوندی کے اور کس کی ہے۔ خدا ناراض ہو تو اسباب و علل بھی عذاب و آفات ہی کے لئے سازگار ہوتے چلے جائیں گے اور خدا راضی ہو تو پھر اسباب و علل اپنا رُخ اپنی چولی اپنا پرداز بدل دیں گے۔ اس موضوع پر تفصیل میں جانے کی بجائے ہم چند آیاتِ قرآنی نقل کرتے ہیں جن پر عبرت پذیری کے ساتھ غور کر لیا جائے تو بہت سی گرہیں اپنے آپ کھل سکتی ہیں۔

سورۂ ھود میں اللہ تعالیٰ فرعون کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۔	اور تیرے رب کی دار و گیر ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ کسی بستی والوں کی پکڑ اس لئے کرتا ہے کہ وہ ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں یقیناً اس کی گرفت بڑی المناک اور سخت ہے۔

پھر اس سورۃ میں کچھ آیات بعد ایک اصول کلی بیان کیا جاتا ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ۔	اور تیرا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو اسکے ظلم کے سبب ہلاک کر دے حالانکہ اسکے رہنے والے اصلاح کی کوشش میں لگے ہوں۔

ظلم قرآن کی اصطلاح میں کسے کہتے ہیں، یہ اہل علم

سے مخفی نہیں۔ کفر، شرک، زندقہ، ابتداع، تجدد، فسق و فجور، سب ظلم ہی کے دائرے میں آتے ہیں۔ اس آیت سے اللہ کی یہ سنت معلوم ہوئی کہ کسی بستی کے ممتاز افراد اگر ظلم کی راہ پر چل نکلیں تب بھی اللہ انھیں فوراً ہلاکت میں نہیں ڈالتا بلکہ دیکھتا ہے کہ اسی بستی کے دوسرے لوگ اس ظلم کی اصلاح کے لئے کوشاں ہیں یا نہیں۔ اگر وہ کوشاں ہوتے ہیں تو ہلاکت روک لی جاتی ہے۔ لیکن اگر اصلاح کی یہ کوششیں بھی سرد پڑ جائیں اور بستی میں غلبہ ظلم ہی ظلم کا ہو جائے تو پھر ہلاکت کسی نہ کسی روپ میں برسا ہی دیجاتی ہے۔ اس غلط فہمی میں نہ رہیئے کہ عذاب الٰہی بس آسمان سے پتھر برسنے یا ہولناک آندھیاں آنے کا نام ہے۔ عذاب الٰہی ہر زمانے میں مختلف شکلیں اختیار کرتا رہتا ہے اور اس کی ڈگری اور نوعیت کا تعلق خود ظالموں کے مدارج ظلم پر ہے۔ یہ ہم دل سے گھڑ کر نہیں کہتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود صراحت فرمادی ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہوا ہے:۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۔

(یہ (انبیاء کا بھیجنا) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بستی کو ظلم کے سبب ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ انھیں خبردار نہ کر دیا گیا ہو۔ اور ہر ایک کیلئے مختلف درجے ہیں ان کے اعمال کی نسبت سے اور تیرا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

❖ ❖ ❖ ❖

یہ درجۂ اعمال اور نوعیتِ ظلم ہی کی رنگا رنگی ہے کہ عذاب الٰہی نے بھی گوناگوں قالب بدلے۔ جس درجے کا ظلم اسی درجے کی پکڑ۔

سورۂ قصص میں اللہ تعالیٰ اپنی اسی سلسلے کی سنت بایں الفاظ بیان فرماتا ہے:۔

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ

(اور ہم کسی بستی کو اسی وقت تعرِ ہلاکت میں گراتے ہیں جب کہ وہاں والے ظالم ہوں۔

❖ ❖ ❖ ❖

یہاں تو حصر ہی فرمادیا۔ یعنی جب یہ دیکھو کہ کسی بستی پر عذاب الٰہی کا کوڑا برس رہا ہے تو بالکل یقینی سمجھو کہ یہاں کے ارباب اقتدار و اختیار ظالم ہیں اور بستی کے دوسرے اہل حضرات نے بھی سعی اصلاح کو چھوڑ کر خاموشی اور بے عملی کی راہ اختیار کر لی ہے۔ دونوں میں سے کوئی ایک صورت بھی نہ پائی جاتی تو اللہ تعالیٰ گرفت نہ کرتا۔ اب اس کے بعد بھی اگر کوئی وزیر، صدر، گورنر یا سفیر یہ دعوے کئے جائے کہ اسکی مملکت پر ہلاکتوں کا بادل ایسی حالت میں برسا جب کہ اس کی مملکت کے قائدین و زعماء انصاف، اصلاح اور تطہیر کی مساعی میں منہمک تھے تو آپ خود سوچ لیجئے کہ مدعی سچا ہے یا قرآن مجید!

تدبیر ظاہری اور اسباب و وسائل کے تتبع کے ہم بھی تہہ دل سے قائل ہیں۔ خود قرآن و سنت تدبیر و تدبر اور سعی و جہد کی دعوت دیتے ہیں مگر یہی قرآن و سنت یہ بھی بتاتے ہیں کہ سب سے بڑی تدبیر اور سب سے مؤثر جہد و سعی اخلاقِ حسنہ کو اختیار کرنا اور اخلاقِ ذمیمہ کو ترک کر دینا ہے۔ مسلمان اگر اپنی تدابیر میں برکت اور محنتوں میں تاثیر چاہتا ہے تو وہ اسلام کو دانتوں سے پکڑے۔ حلال و حرام میں تمیز کرے۔ خدا کی طرف متوجہ رہے۔ اگر وہ دوسری قوموں کی طرح خالص مادیات پر تکیہ کرتا ہے اور خدا کی رضا سے اسے کوئی سروکار نہیں رہتا تو پھر چاہے وہ تدبیروں کے ہمالیہ کھڑے کرلے یہ تدبیریں نحوست بے اثری اور مضرت کے تہہ بر تہہ زہروں سے مسموم ہی رہیں گی۔ بہت خوشی کی بات ہے کہ جس وقت یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں تمام عرب ممالک کے نمائندوں کی کانفرنس کا انعقاد طے پا گیا ہے۔ اتحاد بجائے خود اخلاقِ حسنہ کا عنوانِ جلی ہے بشرطیکہ مقصدِ نیک کے لئے ہو لیکن اصل خوشی اس وقت ہوگی جب یہ سامنے آجائے گا کہ اتحاد و مشارکت کے لئے قومیت کی ملعون بنیاد کے عوض اسلام کی پاکیزہ تر اور مرصوص بنیاد قبول کر لی گئی ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جو اسرائیلی عفریت کے مقابلے کی سکت پیدا کر سکتی ہے قومیت کی بنیاد پر جو اتحاد ہوگا وہ اپنی طبع زاد نحوست اور فطری ناپاکی کی وجہ سے قیامت تک بھی اس قابل نہیں

ہو سکتا کہ امت مسلمہ کو ان ہولناک اور عظیم شیطانی قوتوں کی دارو گیر سے محفوظ رکھ سکے جن کا تفصیلی نام امریکہ اور برطانیہ وغیرہ ہے اور مجمل نام اسرائیل۔

یوم منانا۔ نعرے لگانا۔ زبانی احتجاج کرنا ان میں بھی کوئی برائی نہیں۔ اظہار جذبات کے طریقوں میں سے یہ بھی کچھ طریقے ہیں اور دعا کرنا تو مسلمان پر ہر حالت میں واجب ہے ہی ـــــ مگر بات اگر بن سکتی ہے تو عربوں کے کردار سے۔ عرب ہی اپنے کردار کا جائزہ نہیں لیں گے۔ خود تنقیدی کی راہ اختیار نہیں کریں گے تو بگڑی کبھی نہیں بنے گی۔ کردار سے مراد وہ کیریکٹر نہیں جسے عصر حاضر کا علم الاخلاق کیریکٹر کہتا ہے بلکہ وہ کیریکٹر مراد ہے جس کی توثیق و تائید قرآن و سنت سے ہوتی ہے

اچھی کتابیں

اصولِ فقہ | تاریخ فقہ اور اصولِ فقہ کے فن پر ایک خاص کتاب۔ اس کا مطالعہ ایک عام آدمی کو بھی علم فقہ کی گہرائی سے روشناس کرے گا۔ قیمت مجلد۔ چھ روپے پچھتر پیسے ۶/۷۵

تاریخ ابن خلدون مکمل | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر چنگیز خاں تک مکمل اسلامی تاریخ۔ مفصل اور مستند۔ نیا ایڈیشن۔ ہر لحاظ سے عمدہ۔ مکمل و مجلد در سات جلد۔ قیمت۔ بانوے روپے ۹۰/۹۲ پیسے

(اس کو طلب کرنے والے حضرات اپنا ریلوے اسٹیشن بھی ضرور لکھیں۔

تاریخ اسلام | (مکمل تین حصے) مصنفہ:۔ مولانا شاہ اکبر خاں نجیب آبادی۔ پہلے اس کی قیمت ۳۶ روپے تھی اب اسکی قیمت ۲۵ روپے ہو گئی ہے

زاد المعاد | مصنفہ:۔ ابن قیم (اردو ترجمہ) مکمل در چہار حصص۔ قیمت ۴۴/۷۵

خلافت بنو امیہ | مصنفہ:۔ ابن اثیر مکمل ہر دو حصہ قیمت ـــــ ۲۴ روپے

ہزار سال پہلے | مؤلفہ:۔ مولانا مناظر احسن گیلانی۔ قیمت سوا چار روپے

تعلیم الصرف | عربی سکھانے والے قواعد کی ایک نئی کتاب جس میں عام فہم انداز میں بنیادی قاعدے اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ عربی سیکھنے کا شوق رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب عمدہ تحفہ ہے۔ قیمت ..... دو روپے ۲/-

فارسی نصاب جدید | کم وقت میں فارسی کی بہترین مہارت پیدا کرنے کے لئے سب سے اچھا نصاب۔ ذیل کے حضرات نے اس نصاب کو پسند فرمایا ہے ـــــ مولانا حسین احمد مدنی رح۔ مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ مولانا ماہر القادری۔ درج ذیل کتابوں پر مشتمل ہے:

• رہنمائے فارسی ۵۰/- • معین فارسی ۶۰/- • درس فارسی ۷۰/- • اصولِ فارسی حصہ اول صرف ـــ ۱/- • اصولِ فارسی حصہ دوم نحو ۷۰/- • نصائح فارسی ۸۰/-

(مکمل نصاب رعایتی چار روپے)

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ | اپنے موضوع کی ایک معلومات افزا کتاب ـــ دو روپے پچھتر پیسے

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔پی)

ماضی کی جھلکیاں

سلطان سلجوقی نے ایک گورنر کو لکھا:۔

"معلوم ہوا ہے کہ تمہاری مجلس اہل علم سے خالی ہے۔ تمہارے خادم بدخو ہیں۔ حاجب تند و ترش ہیں۔ حاجتمند تم سے مایوس ہیں۔ تمہاری دولت خزانہ میں ہے۔ لیکن تم پر تنقید کرنے والے جیل میں ہیں۔ لہٰذا تمہیں معزول کرتا ہوں۔"

امیر معاویہؓ نے اپنے عہد کے ایک عالم احنف بن قیس سے پوچھا زمانے کا کیا حال ہے؟

کہا:۔ "زمانہ تم ہو۔ تم درست ہو تو زمانہ بھی درست ہے تم بگڑ گئے تو زمانے کا خدا حافظ۔"

حضرت عمر فاروقؓ سے کسی نے کہا: "آپ اپنے ساتھ حفاظتی دستہ کیوں نہیں رکھتے؟"

فرمایا: "عوام کا کام میری حفاظت نہیں۔ میرا کام ان کی حفاظت ہے۔"

ہارون الرشید کے زمانہ میں عبداللہ بن مبارک مشہور فقیہہ محدث تھے۔ ایک مرتبہ وہ عراق کے ایک شہر رقہ میں تشریف لے گئے تو سارا شہر استقبال کو امنڈ آیا۔ یہ منظر دیکھا تو ہارون الرشید کی بیوی نے اس سے کہا:

"یہ ہے حقیقی سلطنت کہ ساری دنیا انھیں دیکھنے کے لئے سمٹ آئی ہے۔ تمہاری حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ جب تک پولیس ڈنڈا نہ چلائے ایک آدمی بھی تمہارے استقبال کو نہیں آتا۔"

علامہ تفتازانی کے متعلق اپنے گورنر کی شکایت سن کر امیر تیمور نے قاصد سے کہا:

"میں اس شخص کا کیا بگاڑ سکتا ہوں جس کا قلم ہر شہر کو میری تلوار سے پہلے فتح کر چکا ہے۔"

امام ابوحنیفہؒ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ کپڑے میں اڑا چلا جا رہا ہے۔ فرمایا سنبھل کے چلو؟ کہنے لگا:

"اے امام میں پھسلا تو تنہا گروں گا۔ آپ پھسلے تو ایک دنیا پھسل جائے گی۔ احتیاط آپ کو کرنی چاہیئے نہ کہ مجھے۔"

یزید بن عبدالملک نے عمر بن ہبیرہ کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے ایک دن حضرت حسن بصریؒ کو دربار میں بلوایا اور کہا مجھے کوئی نصیحت کریں۔

فرمایا: "یزید کے معاملہ میں خدا سے ڈر اور خدا کے معاملہ میں یزید سے قطعاً نہ ڈر۔"

سفیان ثوریؒ اور ہارون الرشید بچپن کے دوست تھے ہارون خلیفہ بنا تو سفیان نے رفتہ رفتہ دربار سے کنارہ کر لیا۔ ہارون نے خط لکھا کہ تشریف لایئے۔ منتظر ہوں سفیانؒ نے جواب دیا:

"تم شاہانہ شوکت سے رہتے اور بیت المال میں خیانت کرتے ہو۔ تمہارے عمال کی اکثریت شرابی ہے وہ خود چوری کرتے ہیں اور دوسروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں۔ تم چاہتے ہو کہ تمہارے ہاں آ کر یہ سب کچھ دیکھوں اور تمہارے خلاف قیامت کو شہادت دوں، یاد رکھ اس روز تیری مشکیں بندھی ہوں گی تو آگے آگے اور تیرے عمال تیرے پیچھے پیچھے ہوں گے۔ آئندہ مجھے خط نہ لکھنا۔"

منصور عباسی نے امام جعفر صادقؒ کو دربار میں طلب کیا نہایت احترام سے اپنے مسند شاہی پر بٹھایا اور کہا کوئی ضرورت ہو تو مجھے عزت بخشیں۔"

فرمایا: "میری ایک ہی خواہش ہے کہ مجھے دوبارہ یاد نہ کیا جائے" یہ کہا اٹھے اور چلے گئے۔

(آئین - لاہور)

سید قطب شہید، اور دورِ حاضر میں راہ حق کے دوسرے شہداء
_____ کے قدموں میں..... نعیم صدیقی کے
شعروں کے پھول!
آنسوؤں کی شبنم سے بھیگے ہوئے پھول!!

پھر ایک کارواں لٹا ____

اس صدی کی کشمکش حق و باطل کے انمٹ نقوش کا نام ہے!۔

قیمت: قسم اعلیٰ: ۵ روپے | قسم اوّل: ۴ روپے
حاصل کرنے کے لئے لکھئے:- ادارہ مطبوعات طلبہ
۴۰۶/۲ نزد لسبیلہ چوک ۔ کراچی۔

تجلّی کی ڈاک

حکومت کے قوانین

سوال:۔

میرا ایک کافی کا باغ ہے اور جو کافی پیدا ہوتی ہے حکومت کے قانون کے موافق ساری پیداوار حکومت کے کافی بورڈ کو کم قیمت پر دینی پڑتی ہے۔ اگر نہ دیں تو حکومت کے قانون سے جرم ہے اور وہی کافی جو ہم حکومت کو فروخت کرتے ہیں حکومت قریب دُگنی قیمت کے دوسروں کو فروخت کرتی ہے۔ اس صورت میں اگر میں حکومت کو اطلاع دیئے بغیر اپنے باغ کی کافی علیحدہ چھپا کر دوسروں کو حکومت کی مقررہ خریدی قیمت سے زیادہ فروخت کر لوں تو ازراہ اسلامی شریعت درست ہوگا یا نہیں۔ اور ایسا اگر کروں تو میرے ایمان پر اثر کیا ہوگا؟ مجھ پر قرضے کا بار بھی ہے اور حکومت اچھی قیمت بھی نہیں دیتی تو اس صورت میں اپنے باغ کی پیداوار میں حکومت کو اطلاع دیئے بغیر فروخت کر لوں تو جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔

ایک ہمارے ہی ملک کی بات نہیں۔ آج کل بہتیرے مسلمان ملکوں میں بھی ایسے کتنے ہی قوانین رائج و نافذ ہیں جو اسلامی نقطۂ نظر سے عدل کے خانے میں نہیں آتے بلکہ انھیں "ظلم" ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایسے قوانین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو افراد کو کسی خلافِ شرع فعل و عمل پر مجبور کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو کسی جائز حق یا آزادی کو سلب کرتے ہیں۔

پہلے کی مثال جھنڈے کی سلامی اور گاندھی جینتی کے قوانین ہیں۔ قوانین کہیئے یا رسوم و آداب۔ ہمیں علم نہیں کہ ان کی آئینی پوزیشن کیا ہے۔ ہاں یہ علم ضرور ہے کہ ان قوانین میں بعض ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہونا کسی بھی مومن کے لئے جائز نہیں۔ مثلاً سمادھی کے آگے نیازمندانہ جھکنا یا اظہارِ عقیدت کا کوئی اور طریق۔ یا جائز انہ انداز میں جھنڈے کی سلامی۔ یا اعترافِ تقدس کے طور پر کچھ دور ننگے پیر پیدل چلنا وغیرہ۔

ایسے تمام قوانین اور آداب و رسوم کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو ان پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر ملازمت کی خاطر یا کسی اور مصلحت سے عمل پیرا ہوگا تو گنا ہگار ٹھیرے گا۔

دوسری قسم کے قوانین کی مثال ختم زمینداری والے قوانین ہیں۔ ان میں افراد کو کسی غیر شرعی عمل پر تو مجبور نہیں کیا گیا لیکن ان کی املاک پر قبضہ اس انداز میں کیا گیا جسے اسلامی شریعت منصفانہ قرار نہیں دیتی۔

ایسے قوانین کے بارے میں شریعت کا مشورہ یہ ہے کہ مسلمان صبر سے کام لے اور اگرچہ آئینی ذرائع سے ان قوانین کی مخالفت اور انھیں مسترد کرانے کی کوشش اس کا

حق ہے لیکن عملاً ان کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہیئے۔

آپ کا معاملہ اسی دوسری قسم کے ذیل میں آتا ہے۔ بظاہر یہ ظلم ہی ہے کہ زمین زید کی، محنت زید کی مگر پیداوار کو آزادانہ فروخت کرنے سے وہ مجبور و معذور۔ شریعتِ اسلامیہ افراد کی آزادی میں اس طرح کی جابرانہ مداخلتوں کو پسند نہیں کرتی۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی قابلِ لحاظ ہے کہ بدلے ہوئے حالات میں تقریباً ساری ہی حکومتوں کے لئے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ وہ بعض اشیاء پر اپنا کنٹرول رکھیں، اپنی صواب دید سے ان کی تقسیم کا انتظام کریں۔ اپنے ہی مقرر کردہ ضوابط کے تحت انھیں بازار میں لائیں۔ ایسا کرنے سے اگرچہ بہتیرے افراد کی وہ آزادی سلب یا کم ہوتی ہے جو انھیں اپنے مال، جائداد اور پیداوار میں شرعاً حاصل ہے لیکن ایسا کئے بغیر جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ بھی کم نہیں ہیں۔ حکومتوں کے فرائض میں تمام ہی اہلِ ملک کے جائز مفادات اور ضرورتوں کا لحاظ ہے لہٰذا اگر بعض اشیاء کو چند افراد کی اجارہ داری سے بچانے کے لئے وہ ان کی خرید و فروخت اور تقسیم وغیرہ میں اپنا عمل دخل شامل کرلیتی ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے ہر حال میں ظلم و گناہ ہی قرار دیا جائے

مقصود اس تقریر کا یہ ہے کہ ان دوسرے قسم کے قوانین کے سلسلے میں ہمیں صبر اور اطاعت ہی کی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو اس سے نہ صرف ضعفِ کردار کا مرض پیدا ہوگا بلکہ یہ ایک قسم کا غدر بھی ہوگا جسے اہلِ ایمان کے شایانِ شان نہیں کہا جا سکتا۔

رہی یہ بات کہ قرض ادا کرنے کی مجبوری یا کسی اور شدید ضرورت کے تحت آپ یا کوئی بھی شخص چوری چھپے ایسے قوانین کی خلاف ورزی کرجائے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ہم سے فتویٰ لیکر آپ قانونِ ملکی کی خلاف ورزی کریں یہ تو کوئی خوبصورت بات نہ ہوئی۔ ہم فتوے یہی دیں گے کہ صبر کے ساتھ قانون کی پیروی کیجئے۔ اب اگر اس فتوے کے بعد بھی آپ چپکے سے کوئی کارگذاری کرہی جائیں تو ہمارا فتویٰ یہ ہوگا کہ ایمان تو آپ کا جوں کا توسلامت رہا۔ لیکن اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ آخرت میں اس حرکت کا احتساب اللہ تعالیٰ کرے گا یا نہیں۔

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا!

سوال[۲]:- (ایضاً)

اس شہر میں ایک باوقار با اقتدار عالم و فاضل مسلمان رہتے ہیں جن کا ہر جگہ اقتدار ہے۔ وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند بھی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے وہ "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کے معنی بھی ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں مگر اُن کا دوسرا پہلو اس طرح ہے کہ وہ یہاں کے ایک مشرک گروہ جو صرف بتوں کی پوجا ہی نہیں کرتے بلکہ خود کی پوجا بھی ہندو مذہب کی رو سے کروا لیتے ہیں اُن کے مندرجہ بالا مسلمان بزرگ اِن مشرک قائد کے قدموں پر پھول اور پھل کا چڑھاوا کرکے ان گرو صاحب کی آشیرواد لیتے ہیں۔ اکثر ان کے گھر والوں کی مستورات لڑکیوں کے فوٹو بھی اشتہارات میں چھپ نکلتے ہیں اور ان تصاویر کو دیکھ کر غیر مذہب کے نوجوان برسرِ بازار مسلمانوں کے سامنے اُن کو (یعنی ان تصاویر کو) چوم کر اپنے میں تقسیم کرلیا کرتے ہیں اور یہ مشرک لوگ ہم کو ہمیشہ یہ طعنہ دیتے ہیں کہ اتنے بڑے عالم (مسلمان) جو اُن کے قائد کے پاس جاکر پیر کو ہاتھ لگا کر اُن کی آشیرواد لیتے ہیں تو ہم لوگ کیوں ایسا نہیں کرتے۔ اگر وہ مسلمان ہیں تو ہم کیسے مسلمان ہیں گے اس لئے آپ سے عرض ہے کہ آپ تفصیل وار ایک بیان اس عنوان پر آپ کے رسالہ میں شائع کرکے مسلمانوں پر احسان فرمائیں۔ اُمید کہ آپ اس معاملے میں پہلو تہی نہ فرمائینگے

جواب[۲]:-

ایک عامی مسلمان بھی جانتا ہے کہ متذکرہ حرکتیں غیر اسلامی ہیں اور کسی عالم و فاضل مسلمان کا ان پر عمل پیرا ہونا لعنت اور پھٹکار کا مستحق ہے۔ پھر بھلا ہم جواب دیں تو کس بات کا اور گفتگو کریں تو کیا۔

رہی مشرکین کی طعنہ زنی تو ان سے کہئے کہ ہمارے قائد تو خدا کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انھوں نے جس معاملے میں جو ہدایت صادر فرمادی وہی ہمارے لئے حجت ہے اور اس ہدایت و تعلیم کے خلاف دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عالم، رہنما، لیڈر اور منصب دار جو کچھ کہے گا وہ نفرت و بیزاری کا مستحق ٹھہرے گا نہ کہ تقلید و تحسین کا۔ زید بہت بڑا عالم ہے۔ صاحب اقتدار ہے صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے لیکن اگر دماغ کا کوئی پیچ ڈھیلا ہو جانے کی وجہ سے یا کسی مفاد کی خاطر یا کسی مصلحت ذاتی کے پیش نظر وہ بھنگ اور چرس کا استعمال شروع کر دیتا ہے تو ہم صرف اس لئے اس کی پیروی نہیں کریں گے کہ وہ عالم و فاضل اور چنیں چناں ہے۔

ازواج رسولؐ

سوال ۳: از:۔ عظیم خاں۔ ہبلی۔

(۱) ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی بیویاں تھیں؟

(۲) بغیر نکاح کے حضورؐ نے کتنی بیویاں رکھیں؟

(۳) جنگ کے وقت حضورؐ کو کتنی بیویاں تحفے کے طور پر پیش کی گئیں؟

(۴) حضورؐ کے بیٹے ابراہیم کس عورت کے فرزند تھے اور وہ حضورؐ کے نکاح میں تھیں یا نہیں؟

یہاں ایک پیش امام صاحب کہتے ہیں کہ حضورؐ نے بغیر نکاح کے بھی چار عورتیں رکھی ہیں جن میں سے ایک کے پیٹ سے ابراہیم پیدا ہوئے۔

جواب ۳:۔

ایسے سوالوں کے جواب حاصل کرنے کے لئے سیرت کی کوئی معتبر کتاب مثلاً سیرت النبیؐ یا اصح السیر دیکھ لینی چاہیئے۔ مختصر جوابات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ازواج رسولؐ کی صحیح تعداد میں مؤرخین متفق نہیں ہیں۔ بعض گیارہ بتاتے ہیں بعض اس سے زائد۔ گیارہ سے کم کسی کا قول نہیں۔ دو حضورؐ کے سامنے ہی انتقال فرما گئیں نو حضورؐ کے وصال کے وقت زندہ تھیں۔

(۲) بیوی تو کہتے ہی اس عورت کو ہیں جس سے نکاح کیا گیا ہو۔ بغیر نکاح کے جن عورتوں سے حضورؐ کا جسمانی تعلق ثابت ہے وہ چار ہیں۔ یہ کنیزیں تھیں اور کنیزوں سے جسمانی تعلق کے لئے نکاح ضروری نہیں۔

(۳و۴) ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے یہ کنیز تھیں۔ مقوقس نے انھیں حضورؐ کی نذر کیا تھا۔

حرام و حلال کمائی

سوال ۴: از۔ عبدالرزاق۔ کراچی۔

ایک شخص کے پانچ لڑکے ہیں جو اپنے والدین کیساتھ رہتے ہیں۔ پانچوں بھائی برسر روزگار ہیں جن میں دو کی کمائی حلال ذریعہ سے ہے اور تین کی کمائی حرام ذریعہ سے یعنی بذریعہ سٹہ وغیرہ۔ پانچوں بھائی اپنی ماہانہ آمدنی اپنے والدین کو دے دیتے ہیں اور والد صاحب اس مجموعی آمدنی میں سے گھر کا خرچ چلاتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ معلوم کرنا تھا کہ جو دو بھائی حلال کماتے ہیں اُن کا اس طرح سے مشترک طور پر کھانا پینا درست ہے یا وہ اپنے الگ کھانے پینے کا انتظام کریں؟

جواب ۴:۔

احتیاط کی راہ تو یہ ہے کہ حلال کی کمائی والے دونوں بھائی اپنا خرچ الگ کریں۔ لیکن اگر اس میں عملاً کوئی غیر معمولی دشواری یا رکاوٹ ہے تو جب تک یہ رکاوٹ دور نہ ہو مشترکہ نظام بھی جواز کے درجے میں رہے گا کیونکہ یہ جو کچھ بھی کھا پی رہے ہیں اسے ان کی اپنی حلال کمائی سے منسوب کیا جائے گا۔ اب یہ تو آخرت ہی میں پتہ چلے گا کہ اللہ نے انکا عذر قبول کیا یا نہیں۔

داڑھی کی مقدار

سوال ۵:۔ (ایضاً)

بعض علماء ایسے شخص کو جس کی داڑھی خشخشی یعنی چھوٹی ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور اپنے جواب کی دلیل کے طور پر شامی کا وہ مسئلہ پیش کرتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں جو داڑھی کترواتا ہو یعنی ایک مشت سے کم رکھتا ہو۔ نیز اگر اس کے پیچھے نماز پڑھ لی گئی ہو تو اس کا اعادہ ضروری ہے۔ براہ مہربانی اس کی تشریح فرمادیں۔

جواب:۔

داڑھی کے مسئلہ میں شامی، در مختار اور عالمگیری جیسی کتابوں میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا وہ اصولی حصہ تو ہر زمانے میں واجب القبول ہے جس کا تعلق براہِ راست قرآن و سنت کی محکم تعلیمات سے ہے۔ مثلاً داڑھی بڑھانا اور مونچھیں کم کرانا حدیث کی صریح تعلیم ہے۔ یہ تعلیم قیامت تک کے لئے حجت ہے چاہے ساری دنیا اس کے خلاف عمل پیرا ہو۔ لیکن داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کی حد کیا ہو یہ منصوص مسئلہ نہیں یعنی قرآن و حدیث میں اس کی نشاندہی نہیں کی گئی بلکہ فقہاء نے اجتہاد و قیاس کے ذریعہ کچھ حدیں مقرر کی ہیں۔ یہ حدیں معقول ضرور ہیں۔ مگر اتنی اٹل نہیں کہ ہر زمانے میں انھیں قطعی اور ناقابلِ تغیر قرار دے لیا جائے۔ یک مشت ایک قیاسی پیمانہ ہے۔ اگر کوئی شخص یک مشت سے کچھ کم رکھتا ہے تو یہ فیصلہ دینا تشدد ہوگا کہ اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔ خدا توفیق دے تو یکمشت ضرور رکھیے مگر یک مشت کی مقدار قرآن یا حدیث نے طے نہیں کی ہے لہٰذا ہم یہ فتویٰ نہیں دے سکتے کہ جس امام نے یکمشت سے کچھ کم رکھ رکھی ہو اس کی اقتدا جائز نہیں۔

حضرت علیؓ ــــ مولائے کائنات!

سوال:۔ از۔ سید ریاض حیدر۔ حیدرآباد۔

گذشتہ تجلی میں آپ نے حضرت علیؓ کے لقب مولائے کائنات کے بارے میں جو جواب دیا ہے اس سے دل مطمئن نہیں ہوا۔ یہ پہلے ہی عرض کردوں کہ میرا تعلق کسی خاص فرقے سے نہیں بلکہ ایک سیدھا سادھا مسلمان ہوں اور چار گھاٹ ہائی اسکول کا طالب علم۔

مولائے کائنات بے شک اللہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا لیکن اللہ کا جو فعل کسی بندے کے توسط سے ظہور میں آتا ہے اس کی نسبت اسی بندے کی طرف کردینا کوئی نادر بات تو نہیں۔ جیسے حضرت مسیحؑ کی ٹھوکر سے مُردوں کا زندہ ہوجانا گو کہ حقیقتہً اللہ ہی کے حکم سے تھا لیکن اس کی نسبت حضرت مسیحؑ کی طرف کی جاتی ہے۔

میرے ذہن ناقص میں ایک تمثیل آتی ہے۔ عین ممکن ہے جناب بھی اس سے اتفاق کریں۔ فرض کیجئے میرے مکان میں چوری ہوگئی اور میں نے اس سلسلے میں ایک درخواست صدر جمہوریۂ ہند کے نام بھیجدی تو ظاہر ہے کہ میری اس احمقانہ حرکت پر وہ یہی جواب دیں گے کہ پولیس کمشنر کی طرف رجوع کرو۔ فرض کیجئے وہ کسی لحاظ مروّت میں میری درخواست قبول بھی فرما لیں تو اسے وہ پولیس کمشنر ہی کی طرف لوٹادیں گے۔ خود کوئی تفتیش نہ کریں گے۔

اسی طرح اگر حضرت علیؓ کو ہم آواز دیں اور مولا کائنات کہیں تو اس میں اس لئے کوئی قباحت نہ ہوگی کہ امداد تو حقیقتہً من جانب اللہ ہی ہوگی البتہ حضرت علیؓ واسطہ بن جائینگے۔ ایسا سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ پریسیڈینٹ ہیں اور حضرت علیؓ کمشنر اگر میں یہ کہوں کہ چونکہ ملک کے عوام کی جان و مال کا محافظ پریسیڈینٹ ہے اس لئے ہر معاملے میں براہ راست اسی سے مدد طلب کی جائے تو میرا یہ استدلال ہر ذی فہم کے نزدیک لغو و لاطائل قرار پائے گا۔ محافظِ حقیقی کوئی بھی ہو سہارا تو ہمیں درمیانی شخصیتوں ہی کا پکڑنا ہوگا لہٰذا حضرت علیؓ کو مدد کیلئے پکارنا شرک نہیں ہو سکتا۔

حقیر کا تجربہ ہے کہ ایک نہایت خطرناک حادثے سے نام علی ہی نے بچایا ہے لہٰذا آپ کا فلسفہ کچھ ہو فلسفہ فلسفہ ہی ہے اور تجربہ تجربہ۔ امید ہے جواب ضرور دیں گے۔

جواب:۔

آپ کا تعلق کسی خاص فرقے سے ہو یا نہ ہو یہ بہرحال طے ہے

کہ یا تو آپ کی ذہنی تربیت ناقص و کاسد ماحول میں ہوئی ہے یا آپ کے تعلق والوں میں کوئی صاحب ایسے ہیں جنھوں نے دینی مسائل میں آپ کے طرز فکر پر برا اثر ڈالا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو اس طرح کے طفلانہ اور لایعنی خیالات آپ کے دماغ میں پیدا نہ ہوتے۔

پہلی خرابی تو آپ کے طرز فکر میں یہ ہے کہ آپ نے اللہ کو بندوں پر قیاس کر لیا ہے حالانکہ ہر ذی فہم جانتا ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا آدمی بڑے سے بڑا شہنشاہ اور پریسیڈینٹ ایک انسان ہی ہوتا ہے جو اپنے اختیار و اقتدار اور قوت و صلاحیت کے اعتبار سے خدا کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ خدا کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرے تو بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا جب تک کہ مادی وسائل و ذرائع اسے میسر نہ ہوں اور وسائل و ذرائع میسر آجانے کے بعد بھی ضروری نہیں ہے کہ ہر کام ٹھیک اسی طرح ہو جائے جس طرح وہ چاہتا ہے۔

دوسری قباحت آپ کے طرز فکر میں یہ ہے کہ آپ نے خواہ مخواہ یہ گھڑ لیا کہ اگر خدا کو تمثیلاً پریسیڈینٹ مان لیا جائے تو حضرت علیؓ کو تمثیلاً پولیس منسٹر مان لینا چاہئے حالاں کہ اس کے لئے کوئی عقلی و نقلی بنیاد نہیں۔

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ چوری ہو جانے پر اسکی رپورٹ بجائے تھانے کے صدر جمہوریہ کو بھیجنا تو اس لئے حماقت ہے کہ صدر جمہوریہ ایک انسان ہی ہے جو نہ تو علم غیب رکھتا ہے نہ اتنی قوت و قدرت کہ دنیا بھر کے تمام کام اپنے ہاتھوں انجام دے سکے اسی لئے مختلف کاموں کے انصرام کیلئے ارباب حکومت مختلف ڈیپارٹمنٹ قائم کرتے ہیں اور تمام اہل ملک کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں کام فلاں ڈیپارٹمنٹ سے متعلق ہے لہٰذا وہ اس کی بجائی کے سلسلے میں اسی ڈیپارٹمنٹ سے رجوع کرتے ہیں۔ چوری، ڈکیتی، مار پیٹ ایسے امور کے لئے سب کو معلوم ہے کہ پولیس کا محکمہ قائم ہے۔ جب بھی ایسا کوئی کیس پیش آئے گا وہ لامحالہ پولیس کے پاس جائیں گے اور صدر جمہوریہ کو درخواست بھیجنے کا سوال ہی ان کے ذہن میں اس لئے پیدا نہیں ہوگا کہ وہ جانتے ہیں کہ صدر جمہوریہ بجائے خود کوئی ایسی قوت و قدرت نہیں رکھتا جو چھوٹے بڑے تمام معاملات کی تہہ تک اسے فوراً پہنچا دے اور مجرموں کو وہ بلا تامل پہچان لے۔ خود حکومت نے مختلف محکمے اسی لئے قائم کئے ہیں کہ بغیر ان کے ملک کا انتظام و انصرام ناممکن ہے۔ حکومت نے یا صدر جمہوریہ نے کبھی نہیں کہا کہ ہر معاملے میں براہ راست صدر سے مدد مانگی جائے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت بے پایاں ہے۔ وہ کسی بھی کام کی انجام دہی کے لئے نہ کسی محکمے کا محتاج ہے نہ کسی ماسوا کے تعاون کا۔ وہ عالم الغیب بھی ہے لہٰذا ہر معاملے کی حقیقت اور اصلیت اس پر خود بخود عیاں ہے۔ وہ آپ سے آپ ہر مجرم کو جانتا اور ہر ظالم کو پہچانتا ہے۔ وہ بیک وقت لاکھ کام کر سکتا ہے اور ذرا نہیں تھکتا نہ اس کے کام میں کسی غلطی کا امکان ہے۔ نہ وہ کسی بھی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے خاص مدت اور وقت کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے قرآن میں جگہ جگہ بندوں کو تعلیم دی کہ جو کچھ مانگنا ہے مجھ سے مانگو جو کچھ بھی فریاد کرنی ہو مجھ سے کرو۔ اپنے آخری پیغمبرؐ کی زبان سے بھی یہی ہدایت اور پیام بندوں تک پہنچوایا کہ ملجا و ماویٰ، غوث و دستگیر، معطی و والی خدا ئے واحد ہی ہے۔ اسی کے آگے دست سوال دراز کرو اور ہر مصیبت ہر ضرورت میں اسی کو پکارو۔ جہاں کہیں سے پکارو گے وہ سنے گا۔ جس دم چاہے وہ بڑے سے بڑے پہاڑ کو پلک جھپکتے ریزہ ریزہ کر سکتا ہے۔ ہوا میں اڑا سکتا ہے۔ زمین میں دھنسا سکتا ہے۔ سمندروں کو حکم دے تو وہ اسی لحظہ اپنا رخ بدل دیں۔ آگ کو حکم دے تو وہ پانی کو گرم لاوے میں تبدیل کر دے۔ ہوا کو حکم دے تو وہ تناور درختوں کو اکھاڑ پھینکے۔

یہ سب کچھ جاننے کے باوجود اگر آپ دنیا کے ایک حقیر پریسیڈینٹ کو خدا پر قیاس کرتے ہیں اور تمثیلاً ایک کو دوسری جگہ رکھتے ہیں تو اس سے بڑھ کر ناسمجھی کی اور کوئی

قسم نہیں۔

پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ جس طرح دنیاوی حکومتوں نے مطلع کر دیا ہے کہ چوری وغیرہ کے سلسلے میں محکمہ پولیس سے رجوع کرو اگر اسی طرح اللہ تعالیٰ مطلع کر دیتے کہ بندے اپنی مشکلات میں حضرت علیؓ سے رجوع کریں تب تو حضرت علیؓ سے رجوع کرنا معقول ہوتا لیکن یہ کیا لغویت ہے کہ آپ نے اپنے آپ یہ بات گھڑ لی کہ حضرت علیؓ کی حیثیت کائنات کے تکوینی نظام میں ایسی ہے جیسے دنیاوی حکومتوں میں پولیس کمشنر کی ——— اس مفروضے کے لئے کوئی کمزور سے کمزور دلیل کہیں موجود نہیں۔ حضرت علیؓ اسی طرح ایک صحابی ہیں جس طرح ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و طلحہؓ رضی اللہ عنہم اگر اہل سنت کے متفق علیہ عقیدے کے مطابق آپ یہ بھی نہ مانیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کا مرتبہ حضرت علیؓ سے بڑھ کر ہے تب بھی یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ وہ صحابی ہیں پیغمبر نہیں۔ خدا کے بعد اگر کسی کا درجہ تھا تو وہ پیغمبر کا تھا۔ اگر کائنات کے تکوینی نظام میں ایسے کسی محکمے کی گنجائش ہوتی جس کی طرف رجوع کئے بغیر اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل ہی نہ ہو سکتی تب بھی اس محکمے کا چیف پیغمبر تو ہو سکتا تھا نہ کہ کوئی پیغمبر سے کم درجے کا انسان۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تو پیغمبر کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا کہ اپنی مصیبتوں میں اسے پکارا کرو۔ وہی تمہاری مدد کرے گا۔ پھر یہ بات سوائے وہم کے اور کیا کہلائے گی کہ آپ حضرت علیؓ کو حکومتِ الٰہیہ کے نظام میں پولیس کمشنر جیسا کوئی عہدیدار تصور کر لیں۔ یہ بجا ہے کہ افعال کی نسبت بندوں ہی کی طرف کی جاتی ہے۔ چوری ہو جانے پر آپ پولیس میں رپٹ درج کرائیں گے اور پولیس مجرم کو ڈھونڈ نکالے گی تو اگرچہ مجرم کا گرفت میں آنا اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوا لیکن کریڈٹ دیا جائے گا پولیس کو اور اسی کے سر اس کارگذاری کا سہرا بندھے گا۔ اسی طرح اگر اللہ یا اس کے رسولؐ نے واضح فرما دیا ہوتا کہ علیؓ قیامت تک کیلئے تمہارے غوث و دستگیر بنا دیئے گئے ہیں اور ہر مصیبت اور احتیاج کے وقت تم غائبانہ انہیں پکارا کرو وہ مدد کریں گے تو بیشک یہ استدلال برمحل ہوتا کہ حکم تو خدا ہی کا چل رہا ہے مگر علیؓ واسطہ بن گئے ہیں۔

لیکن جب اللہ اور رسولؐ کی طرف سے ایسی کوئی وضاحت نہیں بلکہ وہاں تو قدم قدم پر کھول کھول کر یہ تنبیہ کی جا رہی ہے کہ خبردار اللہ کے سوا کسی کو معین و ولی نہ سمجھنا۔ خبردار رسولؐ خدا کے کسی کو عالم الغیب نہ جاننا، کسی کو قادر و با اختیار نہ تصور کرنا ——— حتیٰ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم شخصیت کو ——— جس سے بڑی شخصیت کائنات میں کوئی نہیں صاف صاف خطاب کر کے اللہ نے فرما دیا کہ یہ مت سمجھو ہدایت یا گمراہی تمہارے قبضے میں ہے۔ تم نہ کسی کو ہدایت دے سکتے ہو نہ گمراہ کر سکتے ہو یہ تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے کہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہی میں پڑا رہنے دے۔

یہ خوب ہے کہ "اگر حضرت علیؓ کو ہم آواز دیں اور مولائے کائنات کہیں تو اس میں کوئی قباحت نہ ہوگی" ——— آپ سے آخر کہا کس نے ہے کہ آواز دیں اور مولائے کائنات کہیں۔ ——— یہی ہی ایسی شرک آمیز حرکتوں کے بغیر نہیں آتا تو آپ کو اختیار ہے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا کسی اور ان سے کم درجے کے بزرگ کو خدا کی مسند پر بٹھا دیں۔ عالم الغیب تصور کریں مصیبتوں میں پکاریں۔ حد ہے کہ اگر آپ کسی افیم کھانے والے درویش یا بھنگ پینے والے مجذوب کو معبود قرار دے لیں تو کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ لیکن جہاں تک معقولیت کا تعلق ہے، حضرت علیؓ یا حضرت صدیق یا حضرت عمرؓ یا کسی بھی بزرگ کے بارے میں عقیدت اور حسن ظن کی بنیاد تو ہمات پر نہیں معقولات و منقولات پر ہونی چاہیئے۔ حضرت علیؓ کے جو مراتب نقل سے ثابت ہیں وہ سر آنکھوں پر، لیکن پولیس کمشنر جیسا کوئی عہدہ تو تمثیلاً بھی ہم خاتم الانبیاءؐ تک کے لئے تسلیم نہیں کرتے چہ جائے کہ دوسری کسی کم درجے کی شخصیت کے لئے۔

رہا یہ کہ آپ کو کسی خطرناک حادثہ سے نام علی نے بچایا ہے تو اس کے بارے میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ذرا اہل ہنود کے حلقوں میں جائیے وہاں آپ کو

بہتیرے لوگ یہ بتائیں گے کہ فلاں شدید مصیبت سے ہمیں فلاں دیوتا نے نجات دلوائی۔ فلاں ضرورت ہماری فلاں دیوی نے پوری کی۔ فلاں شخص کو چاند سا بیٹا فلاں دیوتا کی عنایت سے نصیب ہوا۔ اہلِ ہنود ہی پر منحصر نہیں عیسائیوں یا یہودیوں سے ملئے۔ وہاں بھی ایسے ہی قصے بے شمار مل جائینگے۔ مگر جو لوگ سمجھدار ہیں وہ وحی کی توضیحات پر تکیہ کرتے ہیں کہ وہم وگمان پر۔ عقائد کا سرچشمہ عوام کے ذاتی تجربات نہیں قرآن وسنت ہیں۔ عوامی تجربات کا تو یہ حال ہے کہ ذرا سا خوف دل میں آیا اور تو لیئے کا سایہ چور بنا۔ ذرا سا کوئی عجوبہ دیکھا بس ہو گئے عقل سے باہر۔ ہم نے نہ پہلے کوئی فلسفہ بیان کیا تھا نہ اب فلسفہ ہانک رہے ہیں۔ یہ تو صاف وسادہ حقائق اور واضح دلائل ہیں جنھیں صداقت کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے۔ آپ حضرت علیؓ کو خدائی مسند پر بٹھانے والے کج فکروں کے چکر میں مت پڑیئے، پڑیں گے تو عاقبت برباد ہو جائے گی۔

جمعیۃ علماء اور صدر جمہوریہ

سوال: از۔ قاضی ڈابھوی۔ احمد آباد۔

ایک طرف اخبار دعوت میں پڑھتا ہوں کہ ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریۂ ہند نے شنکراچاریہ جگت گرو کے قدموں میں پھل اور پھول رکھ کر ان کے قدموں کو بطور عقیدت چھوا۔

دوسری طرف انتخاب صدارت سے ایک ماہ قبل روزنامہ الجمعیۃ کے کالموں میں ڈاکٹر ذاکر حسین کا تذکرہ اکابر دین کی صف میں دیکھتا ہوں۔

کیا ڈاکٹر ذاکر حسین واقعی اکابر دین کے زمرے میں شامل ہیں اور ان کی وہ مدح وثنا بجا ہے جو اخبار الجمعیۃ میں نظر آتی رہی ہے؟

جواب:

آپ نے کس اخبار کا ذکر کیا ــــ یہ اخبار فرعونیت تک کی مدح وثنا میں تامل نہیں کرتا تو پھر کسی اور معاملہ میں اس کے رویئے پر سنجیدہ توجہ کی کیا گنجائش۔

ڈاکٹر ذاکر حسین ایک سیاسی شخصیت ہیں۔ سیاست اور بعض دنیاوی علوم وفنون میں ان کا درجہ جو بھی ہو علم دین کے باب میں ان کا مقام کوئی نہیں ہے۔ اکابر تو کجا اصاغر دین میں بھی شمار نہیں کئے جا سکتے۔ ایک مسلمان ہیں اور بس۔ جگت گرو کے قدموں پر پھل پھول چڑھانا یا اسی نوع کا کوئی اور عمل کرنا ظاہری اعتبار سے تو شرک ہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکثریت کی جذباتی ہمدردی وحمایت حاصل کرنے کے لئے موصوف سے اس قسم کے اعمال صادر ہوئے۔ اب یہ اختیار اللہ ہی کو ہے کہ ان کے ساتھ جو چاہے معاملہ کرے۔ ہم اور آپ تو بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح کے اعمال ایک ایسے کیرکٹر کی ترجمانی کرتے ہیں جس میں کوئی مضبوطی اور سطوت نہیں۔ اب اچھا یہی ہے کہ صدر جمہوریہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ہم اور آپ خود اپنی عاقبت کی فکر کریں۔

خلافت اور جماعت اسلامی

سوال: از۔ قاسم سجاد کاشمیری۔ اسلام آباد۔

ہمارے یہاں کے ایک قاضی صاحب بڑے شدومد سے کہتے ہیں کہ جماعت اسلامی والے بالکل غلط اور گمراہ کن پروپگنڈہ کر رہے ہیں کہ خلافت ــــ یا حکومت الٰہیہ آج بھی قائم ہو سکتی ہے۔ یہ جماعت اسلامی والے خفیہ خفیہ لوگوں کو بہکاتے ہیں کہ اسلامی حکومت قائم ہونے والی ہے اور اس طرح یہ لوگوں کو حقیقی اسلام سے منحرف کرنے کے مجرم ہیں۔

خود سائل کے نزدیک تو خلافت کے قیام کا امکان ہر زمانے میں موجود ہے اس لئے جماعت اسلامی والے اگر خلافت کا ذکر کرتے ہیں تو کوئی عجیب بات نہیں کرتے۔ لیکن ان قاضی صاحب اور بعض اور لوگوں کے

کہنے سننے سے عام ذہنوں میں جماعت اسلامی کے خلاف یہ تأثر پیدا ہوگیا ہے کہ یہ لوگ ہوائی باتیں کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں گمراہی پھیلتی ہے۔

جواب ۹:-

جب کسی کو کسی فرد یا گروہ پر اعتراض ہی کرنا ہو تو کون اس کی زبان پکڑ سکتا ہے۔ جماعت اسلامی پر اعتراض کرنا بعض حلقوں میں فیشن بن گیا ہے اور بعض حلقوں میں اسے کارِ ثواب سمجھ کر انجام دیا جاتا ہے۔ اب ہم کہاں تک لغو و لایعنی اعتراضات کا جواب دیتے رہیں۔

جماعت اسلامی نے حکومتِ الٰہیہ کے موضوع پر جو کچھ کہا ہے وہ چھپا ہوا موجود ہے۔ کوئی بات اس میں اگر واقعی قابلِ اعتراض ہو تو اسے پورے حوالے کے ساتھ نقل کر کے اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے لیکن اس معقول روش کو ترک کر کے فضول اعتراض گھڑنا اور الزامات تراشنا غیر ذمہ دار لوگوں کا کام ہے جنھیں نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ چوں کہ جماعت اسلامی حکومتِ الٰہیہ کا پروپیگنڈہ کرتی ہے اس لئے لوگ حقیقی اسلام سے منحرف ہو رہے ہیں ـــــ مار و گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ ایسے ہی مواقع پر موزوں ہوتا ہے۔

ان قاضی صاحب سے پوچھا جائے کہ حقیقی اسلام آپ کسے کہتے ہیں اور جماعت اسلامی نے حکومتِ الٰہیہ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ کس طرح اس حقیقی اسلام سے منحرف کرتا ہے۔

دعائے گنج العرش

سوال ۱۰:- از مرزا عبدالوہاب بیگ۔

ماہ اپریل کے تجلی میں جواب دعائے گنج العرش پڑھنے کے متعلق دیا ہے اس پر دو اعتراض ہیں کہ باوجود اس کے کہ سائل نے واضح طور پر لکھا ہے کہ وہ اللہ دعا گنج العرش پڑھتا ہے۔ آپ نے اس کے فعل کو بدعت قرار نہیں دیا۔ سوال جس ذہنیت کا غماز ہے اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شخص مذکور معمولاً روزانہ دعائے گنج العرش پڑھتا ہے حالانکہ کسی امر مستحب پر بھی التزام اور مداومت منع ہے اور ترک لازم۔ اگر کوئی شخص دعائے گنج العرش کبھی کبھار پڑھتا ہے تو اس کا یہ فعل بدعت کی تعریف میں نہیں آسکتا۔ لیکن اسے معمول بنا لینا اور ترک پر عمل نہ کرنا یقیناً بدعت ہوگا۔

دوسری بات جو آپ نے تحریر فرمائی ہے کہ جب تک اس کے مضمون (دعاء) ہی میں کوئی شرعی نقص نہ پایا جائے اس کا پڑھنا بدعت نہیں کہلائے گا غور طلب ہے۔ کیونکہ مروجہ فاتحہ اور اذکار صوفیاء وغیرہ جن کے مضمون میں کوئی شرعی نقص نہیں ہوتا لیکن ان کا ادائیگی کا طریقہ اور جو نیت و جذبہ ان اعمال کے پیچھے کارفرما ہوتا ہے اسی پر تو ان اعمال کو بدعت قرار دیا جاتا ہے۔

اسلوبِ بیان، فصاحت و بلاغت یہ عرض خدمت ہے کہ بے شک انسانوں کے نزدیک تو فہیم اور سلیقہ شعار وہی آدمی کہلائے گا۔ جو موقع اور محل کی مناسبت سے فصیح و بلیغ کلام کرے (چاہے دل کی حالت کچھ ہی ہو) لیکن خدائے علیم و خبیر کے پاس تو کسی اَن پڑھ بندے کی دعا کے بے ربط جملے بھی کسی فصیح و بلیغ دعا (مسنون دعاؤں کے علاوہ) سے زیادہ شرفِ قبولیت حاصل کر سکتے ہیں۔

جواب:-

بدعت ہونے نہ ہونے کا سوال ان امور کے بارے میں اٹھتا ہے جنھیں موجب ثواب تصور کر کے عمل میں لایا جائے۔ ہمارے اپریل کے جواب میں اس نکتہ کی تصریح موجود ہے کہ دعائے گنج العرش حصولِ ثواب کی نیت سے نہیں پڑھی جاتی بلکہ اسلئے پڑھی جاتی ہے کہ دعا اچھے الفاظ میں اچھی ترتیب کے ساتھ ہو جائے۔ ایسی صورت میں اس کی حیثیت وہ نہیں رہتی جو سال بہ سال میلاد یا مروجہ فاتحہ وغیرہ کی ہے۔ یہ امور جائے خود موجبِ ثواب سمجھ کر زیرِ عمل لائے جاتے ہیں جبکہ دعائے گنج العرش

یا دوسری کوئی دعا بجائے خود موجب ثواب نہیں سمجھی جاتی۔ ہاں وہ اس اعتبار سے موجب ثواب ہو سکتی ہے کہ دعاء عبادت ہے اور الفاظ کچھ بھی ہوں اگر وہ دعا کے الفاظ ہیں تو ان پر کچھ نہ کچھ ثواب و برکت کا ترتب قدرتاً ہوگا۔

آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ اور رسولؐ نے دعا کے لئے کسی خاص عبارت کا پابند نہیں کیا۔ حتّٰی کہ نماز تک میں درود کے بعد کی دعا معیّن نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کوئی سی بھی دعا پڑھ لے۔ یہ اختیار اباحت کے ہم معنی ہے یعنی ہر وہ دعا مباح ہے جس میں خلاف شرع کوئی مضمون نہ ہو لہٰذا کسی فعل مباح کو معمول بنانا بدعت نہیں ہوگا جب کہ اسے بجائے خود عبادت تصور نہیں کیا جاتا۔

یہ کلیہ درست نہیں ہے کہ ہر فعل مستحب پر دوام و استمرار منع ہے۔ رمضان میں وتر کی جماعت مستحب ہے لیکن آپ دیکھتے ہی ہیں کہ ترک پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ ہر رمضان میں التزاماً یہ جماعت ہوتی ہے۔ کسی فقیہ نے نہیں کہا کہ اسے گاہے گاہے ترک کرتے رہنا چاہیئے۔

ایک بات اور سمجھ لینے کی ہے۔ دعائے گنج العرش یا کوئی اور دعا کسی خاص اجتماعی شکل میں پڑھی جائے اور اسے معمول بنا لیا جائے تو اسے بدعت ہی کہیں گے کیونکہ کچھ لوگوں کا جمع ہو کر کسی فعل کو کرنا اسے معاشرے میں عام کرنے کی کوشش کے مرادف ہے اور یہ فعل عبادت کی شکل اختیار کر جاتا ہے جب کہ منظر عام پر جماعتی انداز میں کیا جائے۔ لہٰذا اس سے روکا جائے گا۔

دور صحابہؓ میں ایک بار کچھ لوگوں نے مسجد میں جمع ہو کر درود پڑھنے کا شغل اختیار کیا۔ اس کا علم حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو ہوا تو انھوں نے ڈانٹا اور روکا۔ اب دیکھیے کہ اگر آپ اور ہم اپنے طور پر روزانہ درود پڑھیں تو اس میں ہرگز کوئی قباحت نہیں نہ اس کے التزام و دوام کو بدعت سے کوئی تعلق ہوگا۔ لیکن یہ فعل نیک جب اجتماعی شکل میں منظر عام پر کیا گیا تو اپنی ہیئت کے اعتبار سے بدعت قرار پایا۔ اسی طرح دعا کا مسئلہ ہے آپ کوئی سی بھی دعا روز مانگیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہاں اسے کوئی اجتماعی شکل دیں گے اور التزام بھی کریں گے تو یہی فعل بدعت ہو جائے گا۔

نیکی کے کاموں پر استقامت اور استمرار کب قابل اعتراض ہو سکتا ہے۔ خیرات کرنا واجب نہیں لیکن کوئی شخص اگر روزانہ ہی خیرات کرتا ہے تو کیا اسے بدعتی کہیں گے؟ — اصل چیز یہ ہے کہ کسی فعل کا موجب ثواب ہونا قرآن و سنت سے ثابت ہونا چاہیئے پھر اس کے التزام و استمرار میں کوئی قباحت نہیں۔ الّا یہ کہ ایسا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے جو شرعاً معیوب و مذموم ہو۔

یہ کس نے کہا کہ دعا کی قبولیت کے لئے فصیح و بلیغ فقرے ہی ضروری ہیں۔ بے شک خدا کے حضور تو ٹوٹی پھوٹی زبان کے بے ربط فقرے بھی مقام قبولیت حاصل کر لیتے ہیں بشرطیکہ ان کے پیچھے تڑپ اور اخلاص ہو — لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ فصاحت و بلاغت کی قدر و قیمت ختم ہو گئی۔ قرآن و حدیث فصاحت و بلاغت کا گنجینہ ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی بات کو فصیح و بلیغ انداز میں ادا کرنے پر قادر ہے تو ناشکری اور بے توفیقی ہوگی اگر پھر بھی وہ فصاحت و بلاغت سے کام نہ لے۔

ایصالِ ثواب

سوال:۔ (ایضاً)

تجلی میں ایصالِ ثواب کے زیر عنوان قرض خواہ و قرضہ دار کی مثال دے کر ایصالِ ثواب کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ مثال اصل سے مطابقت ہی نہیں رکھتی کیونکہ اللہ اور اس کے بندے کا تعلق وہ نہیں ہوتا جو قرض خواہ اور قرضہ دار میں ہوتا ہے۔ قرض خواہ جہاں خود غرض اور مطلب پرست ہوتا ہے اور اپنا دیا ہوا مال کسی طرح واپس حاصل کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ رحیم و کریم اپنے بندے کی کوتاہیوں سے درگذر فرما کر اور اس کی نیکیوں کا زیادہ سے زیادہ اجر دے کر اسے جہنم سے محفوظ کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی استطاعت سے واقف ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے قرض خواہ قرضہ دار کی استطاعت سے ناواقف اور بے خبر ونیز آپنے جو یہ لکھا ہے کہ کوئی گناہ گار ماں باپ کا بیٹا اپنا مال خرچ کرکے اُس کا ثواب اپنے فوت شدہ ماں باپ کو بخشتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس ثواب کو اُن ماں باپ کے حصے میں رکھدے گا اور اُس کے بقدر اُنھیں معافی بخش دے گا۔

اگر اسے مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سوائے انبیاء علیہ السلام کے تو سب لوگ بے گناہ تو نہیں تھے۔ باوجود اس کے اور صحابہؓ، تابعین وتبع تابعین میں ایصال ثواب کا یہ دَور دورہ نہیں تھا جو آج کل ہے۔

مزید یہ کہ ایصال ثواب کرکے جو بخشائش گناہ چاہی جاتی ہے اُس کا کلیتہً بقدر گناہ ہونا غیر یقینی ہے۔ البتہ اگر دعاءِ مغفرت کی جائے اور اللہ تعالیٰ اُسے منظور فرمالیں تو انشاء اللہ جس کے لئے دعاءِ مغفرت کی گئی ہے اُسے کلیتہً مغفرت حاصل ہو جائے گی ونیز دعاءِ مغفرت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول نے مال خرچ کرنے کی کوئی شرط نہیں رکھی ہے اللہ کی بارگاہ میں شفاعت وسفارش بغیر اذن الٰہی کوئی بھی کسی کے لئے بھی نہیں کرسکتا۔ بالفاظِ دیگر نہ کوئی اپنی مرضی سے سفارش کرسکتا ہے نہ شفاعت حاصل کرسکتا ہے۔ شفاعت وسفارش کلیتہً اللہ تعالیٰ کے اذن واجازت سے ہی کی جاسکے گی اور جو لوگ ایصالِ ثواب کے قائل ہیں عموماً دیکھا جاتا ہے کہ زندہ حاجت مندوں سے بے پروا ہوجاتے ہیں اِلّا ماشاء اللہ۔

(۱) ولا تکسب کل نفس الا علیھا ولا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ۔

(۲) لیس للانسان الا ما سعیٰ۔

(۳) یا ایھا الذین آمنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیھا ولا خلۃ ولا شفاعۃ

مذکورۃ الصدر آیات ونیز دوسری آیات سے ایصالِ ثواب کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے ہم امتیوں کو مال خرچ کرنے کے مختلف طریقے خود سکھلائے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ، خیرات، صدقہ، انفاق فی سبیل اللہ، قرضِ حسنہ، رشتہ داروں، غرباء، یتیموں سے سلوک وغیرہ۔

حقیقتاً ہم کو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے شرعی طریقوں پر خرچ کرنا چاہیئے۔ نہ کہ ایصالِ ثواب کو آڑ بناکر نفس کی پیروی۔

جواب:۔

معلوم ہوتا ہے آپنے ایصالِ ثواب کے موضوع پر علمائے سلف اور فقہائے ماسبق کی آراء کا مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ آپ کو معلوم ہوتا کہ ایسا تو کوئی بھی عالم اور فقیہ نہیں گذرا جس نے ایک سرے سے یہ کہدیا ہو کہ ایصالِ ثواب کوئی چیز ہی نہیں۔ بحثیں اگر ہوئی ہیں تو اس میں ہوئی ہیں کہ آیا بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادتوں کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بعض نے دونوں کو درست کہا۔ بعض نے ایک کو۔ ایسا کوئی بھی نہیں جس نے دونوں ہی کی نفی کردی ہو

آپ کا یہ پہلا ہی مفروضہ نادرست ہے کہ قرض خواہ خود غرض اور مطلب پرست ہوتا ہے۔ اپنا دیا ہوا قرض واپس لینے کی خواہش رکھنا تو ایسی بات نہیں جسے خود غرضی اور مطلب پرستی جیسے عنوانات سے بیان کیا جائے۔ ممکن ہے آپکی نظر میں بعض ایسے ایسے قرضخواہ ہوں جو گالی گلوچ کرتے ہوں یا اپنے مقروضوں کو کسی اور طرح ذلیل کرتے ہوں۔ ایسے قرض خواہوں کو جو چاہے کہہ لیجئے لیکن بے شمار وہ اللہ کے بندے جو ہماری ضرورت میں ہمیں بلاسود قرض دیدیتے ہیں اور وعدہ ادائگی کے مطابق اسے طلب کرتے ہیں خود غرض اور مطلب پرست کہلانے کے مستحق نہیں۔ انھیں تو الفاظِ خیر سے یاد کرنا چاہیئے

دورِ صحابہ میں ایصالِ ثواب کا آج جیسا دور دورہ رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن جب خود احادیث میں ایصالِ ثواب کی اصل کھلی کھلی موجود ہے اور بعض صحابہؓ کو خود حضورؐ نے ایصالِ ثواب کی راہ بتائی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس سے متوحش ہوا جائے۔ صحابہؓ اپنے مرحوم والدین یا کسی اور عزیز قریب کو

اپنے کسی فعل وعمل کا ثواب پہنچاتے تھے یا نہیں اس کا یقینی فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے جب کہ صحابہؓ اکثر خاموشی اور اخفا کے ساتھ اُمورِ خیر انجام دیتے تھے۔ اگر کسی صحابی نے محتاجوں کو ہزار اشرفیاں دیں اور دل میں دعا کر لی کہ اے اللہ اس کا ثواب فلاں مرحوم کو بخش دینا تو تاریخ وآثار میں یہ عمل کیسے نقل ہوگا۔ نقل نہ ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ ایصالِ ثواب کرتے ہی نہ تھے۔

ایصالِ ثواب کیے جو بخشائشِ گناہ چاہی جاتی ہے اگر اس کا کلیتہً بقدرِ گناہ ہونا غیر یقینی ہے تو اس سے آخر نقصان کیا ہوا؟ کسی مرحوم شخص کے گناہ کتنے ہیں یہ تو سوائے خدا کے کوئی بھی نہیں جانتا۔ ہمیں اپنے کسی کام کا ثواب اس شخص کو پہنچانے کے لئے کیا ضرورت ہے یہ جاننے کی کہ اس کے گناہ کتنے ہیں۔ دعائے مغفرت تو یقیناً کرنی ہی چاہیئے لیکن خالی دعا کے ساتھ اگر اپنے کسی عمل کا نقد ثواب بھی پیش کر دیا جائے تو یہ نورٌ علیٰ نور ہوگا۔ دعائے مغفرت کے ساتھ اللہ نے مال خرچ کرنے کی شرط بے شک نہیں رکھی لیکن ایثار و قربانی کا دروازہ تو بند نہیں کر دیا۔ یہ ایثار ہی ہے کہ ہم اپنا مال اللہ کی راہ میں دے کر یا کوئی بدنی عبادت کر کے اس کا اجر و ثواب خود لینے کے بجائے یہ چاہیں کہ یہ ثواب ہمارے فلاں عزیز یا دوست یا والدین کو مل جائے۔

سفارش وشفاعت کی یہاں کوئی بحث نہیں تھی۔ یہ تو نصِ قطعی ہے کہ خدا کے یہاں کوئی سفارش اس کے اذن کے بغیر نہیں ہو سکتی مگر ایصالِ ثواب سفارش وشفاعت کو نہیں کہتے۔ آخر یہ موٹی سی بات کسی ذی فہم کے دائرۂ فہم سے خارج کیسے رہ سکتی ہے کہ زید یا بکر اپنی کوئی چیز جب چاہے کسی کو ہبہ کر سکتا ہے۔ کسی کو حق نہیں جو اسے روکے۔

جو ایصالِ ثواب کرنے والے زندہ حاجت مندوں سے بے پروا ہو جاتے ہیں وہ عموماً وہی ہیں جنھوں نے ایصالِ ثواب کو بھی مروجہ فاتحہ اور میلاد جیسی ایک رسم کے طور پر قبول کیا ہے ان کے وکیل ہم بھی نہیں۔ لیکن جس نوع کے ایصالِ ثواب سے یہاں بحث ہے اس نوع کا ایصالِ ثواب کرنے والے اکثر و بیشتر زندہ حاجت مندوں کے ساتھ بھی ایثار و انفاق ہی کا سلوک کرتے ہیں۔

آپ نے تین آیتیں لکھیں اور اعراب ایک پر بھی نہیں لگائے۔ نیز خط ایسا رکھا کہ کاتب دس غلطیاں کرے۔ یہ روش قرآن کے سلسلے میں نہایت غیر ذمہ دارانہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان آیتوں کے سلسلے میں آپ نے کسی بھی مستند مفسر کی تفسیر دیکھنے کی زحمت نہیں اُٹھائی ورنہ آپ دیکھتے کہ ایک بھی ذمہ دار مفسر اہلِ سنت میں ایسا نہیں ہے جس نے ان آیتوں سے ایصالِ ثواب کی ایسی کلی نفی نکالی ہو جیسی آپ نکال رہے ہیں۔ آپ خود انصاف فرمائیں کہ تمام مفسرین خلف وسلف سے بے نیاز ہو کر آیات، قرآنی کی توضیح وتفسیر کرنا کہاں تک مناسب ہے۔

یہ آیتیں مفسرین وفقہاء میں زیرِ بحث آ چکی ہیں اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا ان کا یہ حاصل کسی نے بھی نہیں نکالا کہ ایصالِ ثواب کلیتہً فضول ہے۔

لمبی بحث سے قطع نظر ہم نمونتہً ایک دو باتیں کہیں گے جن سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ کسی بھی آیت کا ایسا مفہوم نکالنا جس میں دیگر آیات اور دیگر تعلیماتِ دینیہ کا لحاظ نہ کیا گیا ہو کس قدر غلط ہوتا ہے۔

لیس للانسان الا ما سعیٰ کو لیجئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک شخص بلا کسی محنت اور عمل کے باپ کے ترکے میں لاکھوں روپیہ پا لیتا ہے اور اللہ کے نزدیک یہ روپیہ قطعاً مالِ طیب ہے ــــ اسی طرح ایک شخص کو اس کی اپنی مملوکہ زمین میں خزانہ مل جاتا ہے۔ یا مثلاً مجاہدوں کو جہاد میں مال[1] ملتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں اس نے سعی تو کوئی بھی نہیں کی۔

انبیاء علیہم السلام دوسرے تمام انسانوں کے مقابلہ میں کس قدر بلند مراتب سے بہرہ یاب ہوئے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حصولِ نبوت میں انکی اپنی سعی کا بھی کوئی دخل تھا؟ اسی طرح صحابیت ایک اعلیٰ درجے کا رتبہ ہے۔

[1] فے وہ مال ہے جو زمانہ جہاد میں بغیر لڑے بھڑے حاصل ہو گیا ہو۔

لیکن کیا کسی شخص کا کسی خاص زمانے میں پیدا ہونا اسکی اپنی سعی کا حاصل کہا جاسکتا ہے؟

ان تمثیلات پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ کسی بھی آیت کے ترجمے میں تنہا اسی آیت پر نظر نہیں رکھنی چاہیئے بلکہ پوری تعلیماتِ دینیہ کو نظر میں رکھ کر ایسا مطلب نکالنا چاہیئے جو ان تعلیمات کے مطابق ہو۔

لا تکسب کل نفس الا علیھا والی آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ کوئی شخص اپنی نیکی کا اجر کسی کو نہیں دے سکتا۔ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ کسی شخص کی بدعملی کی سزا کسی اور کو نہیں دی جاسکتی۔ زید کا بارِ گناہ طلحہ نہیں اٹھائیگا۔ میں چوری کروں تو میرا بیٹا اس کی پاداش میں نہیں پکڑا جائے گا۔

یہ قطعاً غلط اور کم فہمی کی بات ہے کہ متذکرہ آیات سے ایصالِ ثواب کی کلی نفی نکالی جائے۔ آپ دیکھ لیجئے یوم قیامت کو قرآن نے ایسا دن کہا ہے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی نہ شفاعت۔ لیکن اسی قرآن میں یہ استثناء بھی موجود ہے کہ اللہ جسے سفارش کی اجازت دیدے گا وہ اس دن ضرور سفارش کرسکے گا۔

عجیب بات ہے کہ ایصالِ ثواب کو آپ آٹا کہہ رہے ہیں اور نفس کی پیروی کا الزام لگا رہے ہیں۔ اس میں نفسانیت کہاں سے آگئی کہ آپ نے ہزار روپے غریبوں کو دیئے اور اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ اس کا اجر میرے مرحوم والد کو بخشدینا۔ ایصالِ ثواب کے اثبات سے یہ کہاں ثابت ہوگیا کہ ہم زکوٰۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ اور قرضۂ حسنہ کی نفی کررہے ہیں۔ سراسر جہ ظلم ہے کہ ایثار کو پیروی نفس اور قربانی کو مذموم قرار دیا جائے۔ مذموم وہ غلط طریقے ہیں جو ایجاد کرلئے گئے ہیں۔ ان کی وجہ سے بجائے خود ایصالِ ثواب مذموم نہیں قرار پاسکتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مولانا مودودی سے ملیئے مولانا مودودی کی شخصیت ان کے علم و فضل، ان کی دعوت، ان کے مشن، ان کی پوری زندگی کے احوال و کوائف پر اسعد گیلانی کی ایک مبسوط کتاب۔ دنیا بھر کے علماء اہلِ فکر اور اربابِ قلم کی آراء۔ قیمت۔ ساڑھے چھ روپے ۶/۵۰

کیا جماعتِ اسلامی حق پر ہے؟ دنیا بھر کے علماء و فضلاء کے فتوے اور فیصلے، ایک اہم کتاب جو مخالف و موافق ہر ایک کے لئے مفید اور دلچسپ ہے۔ قیمت۔ تین روپے۔

الزامات کا جائزہ ان الزامات کا منصفانہ جائزہ جو جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی پر کبھی فتووں کی شکل میں اور کبھی کتابچوں اور اشتہاروں کی صورت میں لگائے جاتے رہے ہیں۔ قیمت ڈھائی روپے ۲/۵۰

لطائف علمیہ چھٹی صدی ہجری کے جلیل القدر فقیہ و محدث علامہ ابن الجوزیؒ کی عجیب کتاب، کتاب الاذکیا کا اردو ترجمہ۔ سات سو ایسے لطائف و قصص جن میں ذہانت و ذکاوت، حاضر جوابی، نکتہ سنجی، طنز و مزاح اور صنعت لفظی کے رنگا رنگ جلوے ملتے ہیں۔ پانچ روپے۔

انتخاب صحاح ستہ حدیث کی چھ صحیح ترین کتابوں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کی مفید تر حدیثوں کا مقبول و معروف انتخاب۔ مجلد پانچ روپے ۵/-

طبِ نبوی مختلف امراض اور حفظانِ صحت کے لئے احادیث میں جن دواؤں اور جس طریق علاج کا ذکر آیا ہے اسے ماضی میں کتابی شکل دی گئی تھی۔ اب یہی کتاب زبان و بیان کے تازہ اسلوب کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔ مجلد دو روپے ۲/-

اہلِ بیت اور اہلِ سنّت اس فکر آفریں کتاب میں اہلِ سنت کی ان غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو ان سے اہلِ بیت رسولؐ کے باب میں ہوئی ہیں۔ قیمت۔ ایک روپیہ۔

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یو۔پی)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

کشمکشِ حق و باطل اور اس کی حقیقت

سوال: ایک عرصے سے ایک الجھن میں مبتلا ہوں۔ براہِ کرم اس سلسلے میں رہنمائی فرمائیں۔ الجھن یہ ہے کہ عہدِ نبوی و خلافتِ راشدہ کو چھوڑ کر آج کی تاریخ تک مسلمانوں کا وہ گروہ ہمیشہ ناکام کیوں ہوتا چلا آرہا ہے جس نے دین و ایمان کے تقاضے ٹھیک ٹھیک پورے کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ناکامی کی اہمیت اس لحاظ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا سبب زیادہ تر اپنے ہی دینی بھائی بنتے رہے ہیں اور آج بھی بنے ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ "دین" جو دنیاوی زندگی کو درست کرنے کے لئے نازل ہوا ہے، جس کا سارے کا سارا ضابطہ دنیوی زندگی میں عمل کرنے کے لئے ہے، جسے غالب کرنے کے لئے کئی خدا کے بندے اپنی زندگیاں ختم اور کئی وقف کر چکے ہیں، غالب کیوں نہ آسکا؟ اور دنیا کی غالب آبادی "دین اسلام" کی برکتوں سے عام طور پر کیوں محروم رہی ہے؟ خلقِ خدا کی عظیم الشان اکثریت چند مٹھی بھر زبردستوں کے ظلم و ستم کیوں سہتی چلی آرہی ہے؟ معاشی بے انصافی، تنگ دستی اور اذیتوں کی دردناک صورتوں سے کیوں دوچار ہے؟ اور امن و سلامتی قائم کرنے والا دینِ حق اور اس کے نام لیوا کمزوروں، بے بسوں، مجبوروں اور معذوروں کا سہارا بننے میں کیوں کامیاب نہیں ہوتے؟

جواب: آپ جس الجھن میں مبتلا ہیں وہ بآسانی حل ہو سکتی ہے اگر آپ ایک مرتبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو انتخاب اور ارادہ کی آزادی بخشی ہے اور اسی آزادی کے استعمال میں اُس کا امتحان ہے۔ اس حقیقت کو اگر آپ ذہن نشین کر لیں تو آپ کو یہ سمجھنے میں کوئی زحمت پیش نہ آئے گی کہ کسی ملک یا قوم یا زمانے کے انسانوں میں اگر کوئی دعوتِ باطل فروغ پاتی ہے یا کوئی نظامِ باطل غالب رہتا ہے تو یہ اُس دعوت اور اُس نظام کی کامیابی نہیں بلکہ اُن انسانوں کی ناکامی ہے جن کے اندر ایک باطل دعوت یا نظام نے عروج پایا۔ اسی طرح دعوتِ حق اور اس کے لئے کام کرنے والے اگر اپنی حد تک صحیح طریقے سے اصلاح کی کوشش کرتے رہیں اور نظامِ حق قائم نہ ہو سکے تو یہ نظامِ حق اور اس کے لئے کام کرنے والوں کی ناکامی نہیں بلکہ ان انسانوں ہی کی ناکامی ہے جن کے معاشرے میں صداقت پروان نہ چڑھ سکی اور بدی ہی پھلتی پھولتی رہی۔ دنیا میں حق اور باطل کی کشمکش بجائے خود ایک امتحان ہے اور اس امتحان کا آخری نتیجہ اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں نکلنا ہے۔ اگر دنیا کے انسانوں کی عظیم اکثریت نے کسی ملک، کسی قوم، یا ساری دنیا ہی میں حق کو نہ مانا اور باطل کو قبول کر لیا تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حق ناکام اور باطل کامیاب ہو گیا۔ بلکہ اس کے معنی در اصل یہ ہیں کہ انسانوں کی عظیم اکثریت اپنے رب کے امتحان میں ناکام ہو گئی جس کا بدترین نتیجہ وہ آخرت میں دیکھے گی۔ بخلاف اس کے وہ اقلیت جو باطل کے مقابلے میں حق پر جمی رہی اور جس نے حق کو سربلند

کرنے کے لئے جان و مال کی بازی لگادی۔ اس امتحان میں کامیاب ہوگئی اور آخرت میں وہ بھی اپنی اس کامیابی کا بہترین نتیجہ دیکھے گی۔ یہی بات ہے جو نوع انسانی کو زمین پر اُتارتے وقت اللہ تعالیٰ نے صاف صاف بتادی تھی کہ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (البقرہ - ۳۸)

اس حقیقت کو آپ جان لیں تو یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں بخوبی آسکتی ہے کہ اہل حق کی اصل ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ وہ باطل کو مٹادیں اور حق کو اس کی جگہ قائم کردیں۔ بلکہ ان کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی حد تک باطل کو مٹانے اور حق کو غالب و سربلند کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ صحیح اور مناسب و کارگر طریقوں سے کوشش کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ یہی کوشش خدا کی نگاہ میں انکی کامیابی و ناکامی کا اصل معیار ہے۔ اس میں اگر ان کی طرف سے دانستہ کوئی کوتاہی نہ ہو تو خدا کے یہاں وہ کامیاب ہیں، خواہ دنیا میں باطل کا غلبہ ان کے ہٹائے نہ ہٹے اور شیطان کی پارٹی کا زور اُن کے توڑے نہ ٹوٹ سکے۔

بسا اوقات آدمی کے ذہن میں یہ اُلجھن بھی پیدا ہوتی ہے کہ جب یہ دین خدا کی طرف سے ہے اور اس کے لئے کوشش کرنے والے خدا کا کام کرتے ہیں اور اس دین کے خلاف کام کرنے والے دراصل خدا سے بغاوت کرتے ہیں تو باغیوں کو غلبہ کیوں حاصل ہوجاتا ہے اور وفاداروں پر ظلم کیوں ہوتا ہے؟ لیکن اُوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر غور کرنے سے آپ اس سوال کا جواب بھی خود پاسکتے ہیں۔ درحقیقت یہ اُس آزادی کا لازمی نتیجہ ہے جو امتحان کی غرض سے انسانوں کو دی گئی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ زمین میں صرف اس کی اطاعت و فرمانبرداری ہی ہو اور سرے سے کوئی اس کی رضا کے خلاف کام نہ کرسکے تو وہ تمام انسانوں کو اُسی طرح مطیع فرمان پیدا کردیتا جس طرح جانور اور درخت اور دریا اور پہاڑ مطیع فرمان ہیں مگر اس صورت میں نہ امتحان کا کوئی موقع تھا اور نہ اس میں کامیابی پر کسی کو جنت دینے اور ناکامی پر کسی کو دوزخ میں ڈالنے کا کوئی سوال پیدا ہوسکتا تھا۔ اس طریقہ کو چھوڑ کر جب اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ نوع انسانی اور اس کے ایک ایک فرد کا امتحان لے تو اس کے لئے ضروری تھا کہ ان کو انتخاب اور ارادے کی (بقدر ضرورت امتحان) آزادی عطا فرمائے اور جب اُس نے ان کو یہ آزادی عطا فرمادی تو اب یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُوپر سے مداخلت کرکے زبردستی باغیوں کو ناکام اور وفاداروں کو غالب کردے۔ اس آزادی کے ماحول میں حق اور باطل کے درمیان جو کشمکش برپا ہے اس میں حق کے پیرو، اور باطل کے علمبردار اور عام انسان (جن میں عام مسلمان بھی شامل ہیں) سب امتحان گاہ میں اپنا اپنا امتحان دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وفاداروں کی ہمت افزائی اور باغیوں کی حوصلہ شکنی ضرور کی جاتی ہے۔ لیکن ایسی مداخلت نہیں کی جاتی جو امتحان کے مقصد ہی کو فوت کردے۔ حق پرستوں کا امتحان اس میں ہے کہ وہ حق کو غالب کرنے کے لئے کہاں تک جان لڑاتے ہیں۔ عام انسانوں کا امتحان اس میں ہے کہ وہ حق کے علمبرداروں کا ساتھ دیتے ہیں یا باطل کے علمبرداروں کا اور باطل پرستوں کا امتحان اس میں ہے کہ وہ حق سے منہ موڑ کر باطل کی حمایت میں کتنی ہٹ دھرمی دکھاتے ہیں اور حق کی مخالفت میں آخر کار خباثت کی کس حد تک پہنچتے ہیں۔ یہ ایک کھلا مقابلہ ہے جس میں اگر حق اور راستی کے لئے سعی کرنے والے پٹ رہے ہوں تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حق ناکام ہورہا ہے اور اللہ تعالیٰ خاموشی کے ساتھ اپنے دین کی مغلوبی کو دیکھ رہا ہے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ حق کے لئے کام کرنے والے اللہ کے امتحان میں زیادہ سے زیادہ نمبر پا رہے ہیں اُن پر ظلم کرنے والے اپنی عاقبت زیادہ سے زیادہ خراب کرتے چلے جارہے ہیں اور وہ سب لوگ اپنے آپ کو بڑے خطرے میں ڈال رہے ہیں جو اس مقابلے کے دوران میں محض تماشائی بن کر رہے ہوں۔ یا جنھوں نے حق کا ساتھ دینے سے پہلوتہی

کی ہو یا جنھوں نے باطل کو غالب دیکھ کر اس کا ساتھ دیا ہو۔

یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ جو لوگ مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں وہ اس امتحان سے مستثنیٰ ہیں یا محض مسلمان کہلایا جانا ہی اس امتحان میں ان کی کامیابی کا ضامن ہے یا مسلمان قوموں اور آبادیوں میں دین سے انحراف کا فروغ پانا اور کسی فاسقانہ نظام کا غالب رہنا کوئی عجیب معمہ ہے جو حل نہ ہو سکے اور ذہنی الجھن کا موجب ہو۔ خدا کی اس کھلی امتحان گاہ میں کافر، مومن، منافق، عاصی اور مطیع سب ہی ہمیشہ اپنا امتحان دیتے رہے ہیں اور آج بھی دے رہے ہیں۔ اس میں فیصلہ کن چیز کوئی زبانی دعویٰ نہیں بلکہ عملی کردار ہے اور اس کا نتیجہ بھی مردم شماری کے رجسٹر دیکھ کر نہیں بلکہ ہر شخص کا، ہر گروہ کا اور ہر قوم کا کارنامۂ حیات دیکھ کر ہی ہوگا۔ (ترجمان القرآن)

مولانا مودودی اور تصوف کہا جاتا ہے مولانا مودودی تصوف کے دشمن ہیں۔ اس الزام کی پوست کندہ حقیقت خود مولانا کی اپنی تحریروں کے آئینے میں ملاحظہ فرمائیے۔ یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ مولانا کس تصوف کے دشمن اور کس تصوف کے حامی ہیں۔ قیمت ــــ مجلّد دو روپے

قرآن اور حدیث تنہا قرآن کیوں ہدایت کے لئے کافی نہیں؟ مولانا مودودی کے قلم سے۔ قیمت ــــ ڈیڑھ روپیہ۔ ۱/۵۰

حجۃ اللہ البالغہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جو اپنے تنوع مضامین اور مفکرانہ اسالیب کی بنا پر ساری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، عمرانیات، سیاست، کلام و منطق فقہ، تاریخ، تہذیب و تمدن سبھی طرح کے موضوعات کی جامع، ایک کالم میں عربی بالمقابل عام فہم اردو ترجمہ دو جلدوں میں مکمل۔ غیر مجلد بیس روپے (مجلد چوبیس روپے)

فیوض یزدانی شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کی الفتح الربانی کا اردو ترجمہ پڑھنے اور فائدہ اٹھانے کی چیز ہے۔ قیمت ساڑھے دس روپے۔ ۱۰/۵۰

خطباتِ مدراس سیرت کے موضوع پر سید سلیمان ندوی کے شہرۂ آفاق خطبات اپنے نوع کی واحد چیز۔ ساڑھے تین روپے ــــ ۳/۵۰

نافع الخلائق تمام ہی دنیوی اور دینی ضروریات کے لئے مجرب اعمال و وظائف اور نقوش و اوراد۔ یہ کتاب عرصہ دراز سے مقبول عام ہے اور ہزاروں انسان اس سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ قیمت ــــ ساڑھے پانچ روپے (مجلد ۶/۵۰)

میلاد النبیؐ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش شریفہ کے متعلق مولانا اشرف علیؒ کے مبسوط اور سیر حاصل مواعظ کا مجموعہ۔ صفحات ۸۰۰ بارہ روپے ــــ ۱۲/

دنیا و آخرت مولانا اشرف علیؒ کے چند اثر انگیز مواعظ ــــ جن کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ مکمل مجلّد قیمت ــــ دس روپے ــــ ۱۰/

حصنِ حصین شب و روز کے تمام معمولات اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق حدیث سے منقول دعاؤں کا مشہور مجموعہ۔ عربی مع اردو۔ دس روپے ــــ ۱۰/

معلّم نماز نماز سیکھنے کی عمدہ کتاب اردو پچاس پیسے ہندی پچاس پیسے۔

ہندی اردو لغت ہندی الفاظ کا صحیح اردو ترجمہ معلوم کرنے کی مشہور کتاب۔ قیمت ــــ ساڑھے تین روپے ــــ ۳/۵۰

تاریخ طبری قدیم عربی تاریخوں میں اس سے زیادہ شہرت شاید ہی کسی تاریخ کی ہو۔ لیجئے اس کا اردو ترجمہ بھی "نفیس اکیڈمی کراچی" نے اپنے خصوصی انداز میں چھاپنا شروع کر دیا ہے۔ جلد اول تیار ہے۔ جو دورِ مبارک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ مجلد سولہ روپے ــــ دوم ــــ ۱۵/

اکسیر ہدایت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "کیمیائے سعادت" کا اردو ترجمہ یہ کتاب عبادات و اخلاقِ حسنہ کی حکمتوں کے بیان اور دینی معارف کی توضیح میں بیش بہا سمجھی گئی ہے۔ مجلّد چودہ روپے ــــ ۱۴/

احکام ربّ ذوالجلال قرآنی آیات کا انتخاب مع ترجمہ۔ سوا روپیہ ــــ ۱/۲۵

تزکیۂ نفس مولانا امین احسن کی معرکۃ الآرا تالیف تزکیۂ نفس کی حقیقت اور وہ کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ جدید ایڈیشن۔ چھ روپے ــــ ۶/

دس ولی دس اولیاء اللہ کا روح پرور تذکرہ ــــ قیمت ــــ مجلد۔ ساڑھے تین روپے ــــ ۳/۵۰

مکتبہ تجلّی ــ دیوبند (یو۔پی)

تفہیم القرآن

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

جلد چہارم

سورۃ الاحزاب آیت ۵۶

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

۱۰۶ اللہ کی طرف سے اپنے نبی پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ پر بے حد مہربان ہے۔ آپ کی تعریف فرماتا ہے، آپ کے کام میں برکت دیتا ہے، آپؐ کا نام بلند کرتا ہے۔ اور آپ پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا ہے۔ ملائکہ کی طرف سے آپ پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ سے غایت درجے کی محبت رکھتے ہیں۔ اور آپ کے حق میں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو زیادہ سے زیادہ بلند مرتبے عطا فرمائے، آپؐ کے دین کو سربلند کرے، آپ کی شریعت کو فروغ بخشے اور آپ کو مقام محمود پر پہنچائے۔ سیاق و سباق پر نگاہ ڈالنے سے محسوس ہو جاتا ہے کہ اس سلسلۂ بیان میں یہ بات کس لئے ارشاد فرمائی گئی ہے۔ وقت وہ تھا جب دشمنانِ اسلام اس دینِ مبین کے فروغ پر اپنے دل کی جلن نکالنے کے لئے حضورؐ کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور اپنے نزدیک یہ سمجھ رہے تھے کہ اس طرح کیچڑ اچھال کر وہ آپؐ کے اس اخلاقی اثر کو ختم کر دیں گے جسکی بدولت اسلام اور مسلمانوں کے قدم روز بروز بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ان حالات میں یہ آیت نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو یہ بتایا کہ کفار و مشرکین اور منافقین میرے نبی کو بدنام کرنے اور نیچا دکھانے کی جتنی چاہیں کوشش کر دیکھیں۔ آخر کار وہ منہ کی کھائیں گے، اس لئے کہ میں اُس پر مہربان ہوں۔ اور ساری کائنات کا نظم و نسق جن فرشتوں کے ذریعہ سے چل رہا ہے وہ سب اس کے حامی اور ثنا خواں ہیں۔ وہ اس کی مذمت کر کے کیا پا سکتے ہیں جبکہ میں اس کا نام بلند کر رہا ہوں اور میرے فرشتے اس کی تعریفوں کے چرچے کر رہے ہیں۔ وہ اپنے اوچھے

ہتھیاروں سے اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ جبکہ میری رحمتیں اور برکتیں اس کے ساتھ ہیں اور میرے فرشتے شب و روز دعا کر رہے ہیں کہ رب العلمین محمدؐ کا مرتبہ اور زیادہ اونچا کر اور اس کے دین کو اور زیادہ فروغ دے۔

۱۰۷ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو جن کو محمد رسول اللہ کی بدولت راہِ راست نصیب ہوئی ہے، تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے احسانِ عظیم کا حق ادا کرو۔ تم جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے، اس شخص نے تمہیں علم کی روشنی دی۔ تم اخلاق کی پستیوں میں گرے ہوئے تھے۔ اس شخص نے تمہیں اٹھایا اور اس قابل بنایا کہ آج مسجودِ خلائق بنے ہوئے ہو۔ تم وحشت اور حیوانیت میں مبتلا تھے، اس شخص نے تم کو بہترین انسانی تہذیب سے آراستہ کیا۔ کفر کی دنیا اس لئے اس شخص پر خار کھا رہی ہے کہ اس نے یہ احسانات تم پر کیے، ورنہ اس نے کسی کے ساتھ ذاتی طور پر کوئی برائی نہ کی تھی۔ اس لئے اب تمہاری احسان شناسی کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ جتنا بغض وہ اس خیر مجسم کے خلاف رکھتے ہیں اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ محبت تم اس سے رکھو، جتنی وہ اس سے نفرت کرتے ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے زیادہ تم اس کے گرویدہ ہو جاؤ، جتنی وہ اس کی مذمت کرتے ہیں اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ تم اس کی تعریف کرو، جتنے وہ اس کے بدخواہ ہیں، اتنے ہی بلکہ اس سے زیادہ تم اس کے خیر خواہ بنو اور اس کے حق میں وہی دعا کرو جو اللہ کے فرشتے شب و روز اس کے لئے کر رہے ہیں کہ اے ربِّ دو جہاں! جس طرح تیرے نبی نے ہم پر بے پایاں احسانات فرمائے ہیں تو بھی ان پر بے حد و بے حساب رحمت فرما، ان کا مرتبہ دنیا میں بھی سب سے زیادہ بلند کر اور آخرت میں بھی انھیں تمام مقربین سے بڑھکر تقرب عطا فرما۔

اس آیت میں مسلمانوں کو دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک صَلُّوْا عَلَیْہِ۔ دوسرے سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

صَلٰوۃ کا لفظ جب علیٰ کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معنیٰ ہوتے ہیں۔ ایک، کسی پر مائل ہونا، اس کی طرف محبت کے ساتھ متوجہ ہونا اور اس پر جھکنا۔ دوسرے کسی کی تعریف کرنا۔ تیسرے، کسی کے حق میں دعا کرنا۔ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے گا تو ظاہر ہے کہ تیسرے معنی میں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ کا کسی اور سے دعا کرانا قطعاً ناقابلِ تصور ہے۔ اس لئے لامحالہ وہ صرف پہلے دو معنوں میں ہوگا۔ لیکن جب یہ لفظ بندوں کے لئے بولا جائے گا خواہ وہ فرشتے ہوں یا انسان، تو وہ تینوں معنوں میں ہوگا۔ اس میں محبت کا مفہوم بھی ہوگا، مدح و ثنا کا مفہوم بھی اور دعائے رحمت کا مفہوم بھی ہوگا۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صَلُّوْا عَلَیْہِ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے گرویدہ ہو جاؤ، ان کی مدح و ثنا کرو۔ اور ان کے لئے دعا کرو۔

سَلَام کا لفظ بھی دو معنی رکھتا ہے۔ ایک ہر طرح کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا، جس کے لئے ہم اردو میں سلامتی کا لفظ بولتے ہیں۔ دوسرے صلح اور عدم مخالفت۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کہنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم ان کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرو۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پوری طرح دل و جان سے ان کا ساتھ دو، ان کی مخالفت سے پرہیز کرو، اور ان کے سچے فرمانبردار بن کر رہو۔

یہ حکم جب نازل ہوا تو متعدد صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، سلام کا طریقہ تو آپ ہمیں بتا چکے ہیں (یعنی نماز میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور ملاقات کے وقت السلام علیک یا رسول اللہ کہنا) مگر آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضورؐ نے بہت سے لوگوں کو مختلف مواقع پر جو درود سکھائے ہیں وہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

کعب بن عجرہؓ:۔ اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ

حمید مجید وبارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید
یہ درود تھوڑے تھوڑے لفظی اختلافات کے ساتھ حضرت کعب بن عجرہؓ سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ امام احمد، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

ابن عباسؓ:۔ ان سے بھی بہت خفیف فرق کے ساتھ وہی درود مروی ہے جو اوپر نقل ہوا ہے۔ (ابن جریر)

ابوحمید ساعدی:۔ اللھم صل علی محمد وازواجہ وذریتہ کما صلیت علی ابراھیم وبارك علی محمد وازواجہ وذریتہ کما بارکت علی ابراھیم انك حمید مجید (مالک، احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ابومسعود بدریؓ:۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم وبارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم فی العلمین انك حمید مجید (مالک، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد، ابن جریر، ابن حبان، حاکم)

ابوسعید خدریؓ:۔ اللھم صل علی محمد عبدك ورسولك کما صلیت علی ابراھیم وبارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم (احمد، بخاری، نسائی، ابن ماجہ)

بریدۃ الخزاعی:۔ اللھم اجعل صلوتك ورحمتك وبرکاتك علی محمد وعلی آل محمد کما جعلتھا علی ابراھیم انك حمید مجید (احمد، عبد بن حمید، ابن مردویہ)

ابوہریرہؓ:۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارك علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت وبارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید (نسائی)

طلحہؓ:۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم انك حمید مجید وبارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم انك حمید مجید (ابن جریر)

یہ تمام درود الفاظ کے اختلاف کے باوجود معنی میں متفق ہیں۔ ان کے اندر چند اہم نکات ہیں جنھیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

اولاً ان سب میں حضورؐ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے کہ مجھ پر درود بھیجنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اے خدا تو محمدؐ پر درود بھیج۔ نادان لوگ جنھیں معنی کا تصور نہیں ہے اس پر فوراً یہ اعتراض جڑ دیتے ہیں کہ یہ تو عجیب بات ہوئی اللہ تعالیٰ تو ہم سے فرما رہا ہے کہ تم میرے نبی پر درود بھیجو، مگر ہم الٹا اللہ سے کہتے ہیں کہ تو درود بھیج حالانکہ در اصل اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ تم مجھ پر "صلوٰۃ" کا حق ادا کرنا چاہو بھی تو نہیں کر سکتے، اس لئے اللہ ہی سے دعا کرو کہ وہ مجھ پر صلوٰۃ فرمائے۔ ظاہر بات ہے کہ ہم حضورؐ کے مراتب بلند نہیں کر سکتے اللہ ہی بلند کر سکتا ہے۔ ہم حضورؐ کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے اللہ ہی ان کا اجر دے سکتا ہے۔ ہم حضورؐ کے رفع ذکر کے لئے اور آپ کے دین کو فروغ دینے کے لئے خواہ کتنی ہی کوشش کریں، اللہ کے فضل اور اس کی توفیق و تائید کے بغیر اس میں کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ حضورؐ کی محبت و عقیدت بھی ہمارے دل میں اللہ ہی کی مدد سے جاگزیں ہو سکتی ہے۔ ورنہ شیطان نہ معلوم کتنے وساوس دل میں ڈال کر ہمیں اللہ سے منحرف کر سکتا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالك لہٰذا حضورؐ پر صلوٰۃ کا حق ادا کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ اللہ سے آپ پر صلوٰۃ کی دعا کی جائے جو شخص اللھم صل علی محمد کہتا ہے وہ گویا اللہ کے حضور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے

عرض کرتا ہے کہ خدایا تیرے نبی پر صلوٰۃ کا جو حق ہے اسے ادا کرنا میرے بس میں نہیں ہے، تو ہی میری طرف سے اس کو ادا کر اور محمدؐ سے اس کے ادا کرنے میں جو خدمت چاہے لے لے۔

ثانیاً، حضورؐ کی شانِ کرم نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ تنہا اپنی ہی ذات کو اس دعا کے لئے مخصوص فرمالیں، بلکہ اپنے ساتھ اپنی آل اور ازواج اور ذرّیت کو بھی آپؐ نے شامل کرلیا۔ ازواج اور ذریت کے معنی تو ظاہر ہیں۔ رہا آل کا لفظ تو وہ محض حضورؐ کے خاندان والوں کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں وہ سب لوگ آجاتے ہیں جو آپؐ کے پیرو ہوں اور آپؐ کے طریقے پر چلیں۔ عربی لغت کی رو سے آل اور اہل میں فرق یہ ہے کہ کسی شخص کی آل وہ سب لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی مددگار اور متبع ہوں خواہ وہ اس کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔ اور کسی شخص کے اہل وہ سب لوگ کہے جاتے ہیں جو اس کے رشتہ دار ہوں، خواہ وہ اس کے ساتھی اور متبع ہوں یا نہ ہوں۔ قرآن مجید میں ۱۶ مقامات پر آلِ فرعون کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ان میں سے کسی جگہ بھی آل سے مراد محض فرعون کے خاندان والے نہیں ہیں بلکہ وہ سب لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ کے مقابلے میں اس کے ساتھی تھے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ آیات ۴۹۔ ۵۰ آل عمران ۱۱۔ الاعراف، ۱۳۰۔ المومن، ۴۶) پس آلِ محمدؐ سے ہر وہ شخص خارج ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر نہ ہو، خواہ وہ خاندانِ رسالت ہی کا ایک فرد ہو، اور ہر وہ شخص اس میں داخل ہے جو حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلتا ہو، خواہ وہ حضورؐ سے دور کا بھی نسبی تعلق نہ رکھتا ہو۔ البتہ خاندانِ رسالت کے وہ افراد بدرجۂ اولیٰ آلِ محمدؐ ہیں جو آپؐ سے نسبی تعلق بھی رکھتے ہیں اور آپؐ کے پیرو بھی ہیں۔

ثالثاً، ہر درود جو حضورؐ نے سکھایا ہے اس میں یہ بات ضرور شامل ہے کہ آپ پر ویسی مہربانی فرمائی جائے جیسی ابراہیم اور آلِ ابراہیم پر فرمائی گئی ہے۔ اس مضمون کو سمجھنے میں لوگوں کو بڑی مشکل پیش آئی ہے۔ اس کی مختلف تاویلیں علماء نے کی ہیں۔ مگر کوئی تاویل دل کو نہیں لگتی۔ میرے نزدیک صحیح تاویل یہ ہے (واللہ العلم عند اللہ) کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم پر ایک خاص کرم فرمایا ہے جو آج تک کسی پر نہیں فرمایا، اور وہ یہ ہے کہ تمام وہ انسان جو نبوت اور وحی کتاب کو ماخذِ ہدایت مانتے ہیں، وہ حضرت ابراہیمؑ کی پیشوائی پر متفق ہیں، خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی یا یہودی۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے تمام پیروؤں کا مرجع بنایا ہے اسی طرح مجھے بھی بنادے۔ اور کوئی شخص نبوت کو ماننے والا ہو، میری نبوت پر ایمان لانے سے محروم نہ رہ جائے۔

یہ امر کہ حضورؐ پر درود بھیجنا سنّتِ اسلام ہے۔ جب آپ کا نام آئے اس کا پڑھنا مستحب ہے اور خصوصاً نماز میں اس کا پڑھنا مسنون ہے۔ اس پر تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ اس امر پر بھی اجماع ہے کہ عمر میں ایک مرتبہ حضورؐ پر درود بھیجنا فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں اس کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس کے بعد درود کے مسئلے میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

امام شافعی اس بات کے قائل ہیں کہ نماز میں آخری مرتبہ جب آدمی تشہد پڑھتا ہے تو اس پر صلوٰۃ علی النبی پڑھنا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص نہ پڑھے گا تو نماز نہ ہوگی۔ صحابہؓ میں سے ابن مسعودؓ، ابو مسعودؓ انصاری، ابن عمرؓ اور جابرؓ بن عبداللہ تابعین میں سے شعبیؒ، امام محمد باقرؒ، محمد بن کعب قرظی اور مقاتل بن حیّان اور فقہا میں سے اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مسلک تھا، اور آخر میں امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اسی کو اختیار کرلیا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ درود عمر میں صرف ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے۔ یہ

کلمۂ شہادت کی طرح ہے۔ جس نے ایک مرتبہ اللہ کی الٰہیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرلیا۔ اس نے فرض ادا کردیا۔ اسی طرح جس نے ایک دفعہ درود پڑھ لیا وہ فریضۂ صلوٰۃ علی النبی سے سبکدوش ہوگیا۔ اس کے بعد نہ کلمہ پڑھنا فرض ہے نہ درود۔

ایک اور گروہ نماز میں اس کا پڑھنا مطلقاً واجب قرار دیتا ہے۔ مگر تشہد کے ساتھ اس کو مقید نہیں کرتا۔

ایک دوسرے گروہ کے نزدیک ہر دعا میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔ کچھ اور لوگ اس کے قائل ہیں کہ جب بھی حضورؐ کا نام آئے، درود پڑھنا واجب ہے۔ ایک اور گروہ کے نزدیک ایک مجلس میں حضورؐ کا ذکر خواہ کتنی ہی مرتبہ آئے، درود پڑھنا بس ایک دفعہ واجب ہے۔

یہ اختلافات صرف وجوب کے معاملہ میں ہیں۔ باقی رہی درود کی فضیلت، اور اس کا موجب اجر و ثواب، اور اس کا ایک بہت بڑی نیکی ہونا تو، اس پر ساری امت متفق ہے۔ اس میں کسی ایسے شخص کو کلام نہیں ہوسکتا، جو ایمان سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہو۔ درود تو فطری نور پر ہر اس مسلمان کے دل سے نکلے گا۔ جسے یہ احساس ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں۔ اسلام اور ایمان کی جتنی قدر انسان کے دل میں ہوگی اتنی ہی زیادہ قدر اس کے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کی بھی ہوگی۔ اور جتنا زیادہ آدمی ان احسانات کا قدرشناس ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ حضورؐ پر درود بھیجے گا۔ پس درحقیقت کثرتِ درود ایک پیمانہ ہے جو ناپ کر بتا دیتا ہے کہ دین محمدؐ سے ایک آدمی کتنا گہرا تعلق رکھتا ہے اور نعمت ایمان کی کتنی قدر اس کے دل میں ہے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من صلّی علیّ صلوٰۃ لم تزل الملٰئکۃ تصلّی علیہ مادام یصلّی علیّ (احمد و ابن ماجہ) "جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے ملائکہ اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ جب تک وہ مجھ پر بھیجتا رہے" من صلّی علیّ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا (مسلم) "جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے" اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علیّ صلوٰۃ (ترمذی) "قیامت کے روز میرے ساتھ رہنے کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے گا" البخیل الذی ذکرت عندہ فلم یصلّ علیّ (ترمذی) "بخیل ہے وہ شخص جسکے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسروں کے لئے اللّٰھمّ صلّ علیٰ فلان یا صلی اللہ علیہ وسلم ——— یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ کے ساتھ صلوٰۃ جائز ہے یا نہیں، اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک گروہ جس میں قاضی عیاض سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اسے مطلقاً ناجائز رکھتا ہے۔ ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خود غیر انبیاء پر صلوٰۃ کی متعدد مقامات پر تصریح کی ہے۔ مثلاً اولٰئک علیھم صلوٰت من ربھم ورحمۃ (البقرہ ۱۵۷) خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصلّ علیھم (التوبہ ۱۰۳) ھو الذی یصلّی علیکم وملٰئکتہ (الاحزاب ۴۳) اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مواقع پر لفظ صلوٰۃ کے ساتھ غیر انبیا کو دعا دی ہے۔ مثلاً ایک صحابی کے لئے آپؐ نے دعا فرمائی کہ اللّٰھمّ صلّ علیٰ آل ابی اوفیٰ۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی بیوی کی درخواست پر فرمایا صلی اللہ علیکِ وعلیٰ زوجکِ۔ جو لوگ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتے ان کے حق میں آپ فرماتے اللّٰھمّ صلّ علیہ۔ حضرت سعد بن عبادہ کے حق میں آپؐ نے فرمایا اللّٰھمّ اجعل صلوٰتک ورحمتک علیٰ آل سعد بن عبادہ۔ اور مومن کی روح کے متعلق حضورؐ نے خبر دی کہ ملائکہ اس کے حق میں دعا کرتے ہیں صلی اللہ علیکِ وعلیٰ جسدکِ لیکن جمہور امت کے نزدیک ایسا کرنا اللہ اور اس کے رسول کے لئے تو درست تھا مگر ہمارے لئے درست نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ اب یہ دلِ اسلام کا شعار بن چکا ہے کہ وہ صلوٰۃ و سلام کو انبیاء علیہم السلام کے لئے

خاص کرتے ہیں اس لئے غیر انبیاء کے لئے اس کا استعمال سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اسی بنا پر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک مرتبہ اپنے عامل کو لکھا تھا کہ "میں نے سنا ہے کچھ واعظین نے یہ نیا طریقہ شروع کیا ہے کہ وہ صلوٰۃ علی النبی کی طرح اپنے سرپرستوں اور حامیوں کے لئے بھی صلوٰۃ کا لفظ استعمال کرنے لگے ہیں۔ میرا یہ خط پہنچنے کے بعد ان لوگوں کو اس فعل سے روک دو اور انھیں حکم دو کہ وہ صلوٰۃ کو انبیاء کے لئے مخصوص رکھیں اور دوسرے مسلمانوں کے حق میں دعا پر اکتفا کریں" (روح المعانی)۔ اکثریت کا یہ مسلک بھی ہے کہ حضورؐ کے سوا کسی نبی کے لئے بھی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا استعمال درست نہیں ہے۔

آنے والا

نکاح نمبر

مدیر تجلی کی علالت کے باعث اگرچہ آئندہ کے خاص نمبر میں تھوڑی سی دیر ہو گئی ہے لیکن یہ دیر ان شاء اللہ "دیر آید درست آید" کا مصداق ثابت ہوگی۔ تیاریاں جاری ہیں۔ اللہ کے فضل سے امید ہے کہ اگلے پرچے میں ٹھیک تاریخ کا اعلان ہو سکے گا۔ منیجر

ہمیشہ کی طرح یہ نمبر بھی سالانہ خریداروں کو بلا کسی زائد قیمت کے دیا جائے گا۔ ویسے بازار میں اس کی قیمت تین روپے سے کم نہ ہوگی۔ ممکن ہے ضخامت بڑھ جانے کے باعث زیادہ ہی ہو جائے۔ جو لوگ اس بیش بہا نمبر کو مفت حاصل کرنا چاہیں وہ جلد از جلد دس روپے بھیج کر سالانہ خریدار بن جائیں۔

منیجر تجلی دیوبند

(از۔ محمد عبدالوہاب رحؒ)
مترجمہ: عبدالقدیر مونگیری قاسمی

کشف الشبہات

مقدمۃ الکتاب

توحید کی تین قسمیں

اوّل۔ توحید ربوبیت ہے۔ یعنی اس بات کا اقرار کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا خالق۔ رازق۔ مدبّر۔ زندگی بخشنے والا اور مارنے والا ہے۔ اس حقیقت کے معترف تو مشرکین بھی رہے ہیں۔ اس کا انکار سوائے ملاحدہ اور زنادقہ اور بعض افراد کے (جیسے فرعون وغیرہ) کے کسی نے نہیں کیا ہے۔

دوم۔ توحید اسماء وصفات

یعنی اللہ تعالیٰ کو انھیں ناموں اور صفتوں سے متصف مانا جائے جن ناموں اور صفتوں سے خود اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلعم نے اس کو متصف بتایا ہے اور ان ناموں اور صفتوں کی اللہ کی ذات سے نفی کی جائے جن سے خود اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے نفی کی ہے۔ اثبات ہو تو بغیر کسی تمثیل کے اور نفی ہو تو بغیر کسی تعطیل کے۔ اس قسم کی توحید میں اہل بدع میں سے جہم ابن صفوان کے بہت سارے متبعین گمراہ ہو چکے ہیں۔ ان فرقوں اور جماعتوں نے بہت سے ایسے راستے تجویز کر ڈالے جن کا آخری سرا تشبیہ، تمثیل اور تعطیل کی گنجان جھاڑیوں میں گم ہو گیا

سوم۔ توحید عبادت

اسی قسم سے اس رسالے میں بحث کی گئی ہے..... یعنی اس امر پر یقین رکھنا کہ تنہا اللہ تعالیٰ ہی ہر قسم کی اطاعتوں کے لئے مرجع و بادی ہے تمام اطاعتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہونی چاہئیں۔ مصائب و آلام کے دور کرنے کے لئے کسی اور کی طرف رجوع نہ کیا جائے کسی غیر کو نہ پکارا جائے۔ توحید عبادت ہی وہ قسم ہے جس کی حقیقت دلوں میں جاگزیں کرنے کے لئے اوّل سے لیکر آخر تک سارے رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔

اسی توحید عبادت کے بارے میں رسولوں اور انکی قوموں کے درمیان خصومت و اختلاف کا بازار گرم رہا اور یہی وہ اہم مقصد ہے جس کی خاطر جہادِ قلمی جہادِ لسانی اور جہادِ سنانی مشروع ہوا۔ اسی مقصد کے لئے جن و انس کی تخلیق ہوئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل تیرہ برس تک اسی کی طرف پورے صبر و استقلال کے ساتھ دعوت دیتے رہے اور اس شان سے کہ اس درمیان میں ایک لمحے کیلئے بھی آپ مایوسی کا شکار نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ ایک وہ دن بھی آیا جبکہ لوگ گروہ در گروہ دین اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے شرک اور اہل شرک کو ذلیل و رسوا کر کے کم سے کم حدودِ عرب میں ان کا خاتمہ ہی کر ڈالا۔ پھر کیا تھا

توحید کا یہ نعرہ دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک گونج اٹھا۔ یہ علمبردارانِ دعوت کی عملی اور قولی مساعی کا نتیجہ تھا اس کے ساتھ ساتھ مخلص امراء و حکام نے علمبرداران دعوت کی پشت پناہی کی تھی جس کے نتیجے میں یہ دعوت اپنے اوج تک پہنچی اور اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ سارا عالم ہی (اس توحید عبادت) کا حلقہ بگوش ہوگیا۔ بلکہ بہت سے اس قماش کے لوگ بھی ملیں گے جنھوں نے لشکرِ اسلام کی سرگرمیوں سے اپنے آپ کو چھپائے رکھا اور اپنی کمین گاہ میں چھپے موقع کی تاک میں لگے رہے جونہی جیسے ہی موقع ملا وہ جھٹ اسلام کا لبادہ اوڑھکر داعیٔ اسلام کے روپ میں نمودار ہوگئے حالانکہ وہ اسلام سے اسی طرح تہی دامن اور بے تعلق تھے جیسے کہ بھیڑیا سیدنا یوسف علیہ السلام کے خون سے بری الذمہ تھا۔

یہ حضرات اس رنگ میں کھلے چھپے اپنے آپ کو نمایاں کرتے رہے یہاں تک کہ حق کے قالب میں شرک کو ان اسماء کے ذریعے ڈھال دیا جن کی کوئی سند اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی تھی، بلکہ اس کے برعکس خود حق کے دلائل واضح طور ان اسماء کی نفی کرتے ہیں لیکن بایں ہمہ جہالت کے عام ہونے کے سبب اور اہل باطل کے عوام پر مستولی ہونے کی وجہ سے شرک نے رواج پالیا ہے یہاں تک کہ معاملہ سنگین ہوگیا۔ اور خطرہ حد سے فزوں ہوگیا۔ اہل باطل نے اقتدار پاکر اپنے بڑے بڑے مراکز اور اس کی متعدد شاخیں (اپنے باطل نظریات کی اشاعت و ترویج کے لئے) قائم کردیں۔

دوسری طرف اہل حق حق کے دفاع کے لئے اور علمبرداران باطل کی جانب سے حق پر حملے اور اعتراضات اور (شکوک و شبہات) کا جواب دینے کے لئے حسب مقدرت کمربستہ ہوگئے اور قید و بند کی صعوبتوں کو خوش آمدید کہا جیسا کہ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ اور ان کے ساتھیوں اور شیخ علامہ ابن تیمیہؒ اور ان جیسے بہتیرے بزرگوں کے ساتھ پیش آیا۔ یہ حضرات برابر حق کی طرف دعوت دیتے رہے مگر اس راہ میں پیش آمدہ مشکلات سے نہ تو شکستہ خاطر ہوئے اور نہ ہی کمزوری دکھائی بلکہ صبر و ضبط کا دامن تھامے رہے تا آنکہ تعالیٰ نے اپنی نصرت و تائید اور اجر و ثواب سے ان کے دامن بھر دیئے۔

لیکن ناظر کو یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ مشرکِ عظیم نے جہاں سر اٹھایا وہ وہی مقام ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرکزِ دعوت ہے یا پھر اس پاس کے مقامات ہیں جہاں التجائیں اور دعائیں غیر اللہ سے مانگی جاتی ہیں اور یہ سب کچھ غفلت و جہالت کا ثمرہ ہے اور اعدائے دین اسلام کی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے۔ نوبت بایں جارسید کہ خود بیت اللہ کے سامنے مقبروں پر قبے اور منارے تعمیر ہونے لگے آخر کار علمبرداران دین حق نے سرگرمی دکھائی۔ دعوتِ حق کا غلغلہ اٹھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی والیانِ مملکت اور احکام وقت کو انکی تائید و نصرت کے لئے مقرر کردیا۔ پھر قبے دھاڈ دیئے گئے منارے توڑ دیئے گئے، عقائدِ حقہ کی دعوت اپنے علمبرداروں اور والیانِ مملکت کی کاوشوں اور مساعی سے آگے بڑھنے لگی۔ اور علمبرداران دعوت نے بڑی بڑی کتابیں دعوت کے موضوع پر تصنیف کیں جن کی عظمت اور نفع رسانی سے انکار ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی یہ رسالہ ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مقبول عام و خاص بنادیا۔ اس رسالے کو موافق اور مخالف ہر ایک نے پڑھا۔ اس سے بہتیری خلقِ خدا کو ہدایت ملی اور اس کی افادیت محض اس لئے ہے کہ یہ رسالہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے دلائل سے معمور ہے۔ یہ رسالہ مبتدعین کے قائم کردہ ان شبہات کے ازالے پر مشتمل ہے جن کو ان لوگوں نے رواج دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہم کے لئے ایسے علماء کو مقرر فرمایا ہے جو ان کے افکار و نظریات کے کچے چٹھے کا پردہ چاک کردینے والے ہیں۔ باوجودیکہ یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے لیکن قاری کو بڑی بڑی کتابوں کے مطالعے سے بے نیاز کردے گا۔ اس رسالے کی افادیت اور اہمیت کے اظہار کے لئے صرف اسی قدر کافی ہے کہ اس کے پڑھنے والوں نے اس پر نوٹ لگائے حاشیے لکھے۔ اس کا ترجمہ کیا اور اس کے کثیر ایڈیشن علیحدہ علیحدہ اور دوسرے رسالوں کے ساتھ بھی بار بار شائع ہوتے

(باقی بر صفحہ ۷۹)

تاج الدین اشعر رام نگری

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

اس دن قبیلۂ بنو سعد کی جتنی عورتیں مکّہ کے رؤسا کے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے لینے آئی تھیں قریب قریب سب اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھیں۔ سب کو بچے مل گئے تھے اور سب ہنسی خوشی اپنے گاؤں لوٹنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ انھیں بچے ہی نہیں ملے تھے، بچوں کے والدین نے اور بھی بہت کچھ دیا تھا۔ روپے پیسے، غلّے، کپڑے اور کھجوریں۔ کسی کا دل اُداس نہ تھا۔ بس محرومِ القسمت اگر رہ گئی تھی تو بیچاری حلیمہ! محلّے محلّے دوڑی، مختلف گھرانوں کے چکر لگائے لیکن کہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ سب بچے اس کے ساتھ کی عورتوں کے حصّے میں آ چکے تھے۔ لے دے کے متوّلیٔ کعبہ، سردار عبدالمطلب کے گھر ایک یتیم بچہ بچ رہا تھا۔ حلیمہ کو کسی نے وہاں کا پتہ بتایا۔ لیکن یتیم کا لفظ کانوں میں پڑتے ہی اس کا دل بیٹھ سا گیا۔ اس نے سوچا بھلا بوڑھے دادا اور بیوہ ماں کے پاس دھرا ہی کیا ہوگا مانا کہ عزّت اور نیک نامی میں پورے مکّے میں عبدالمطلب کا کوئی ہمسر نہیں، لیکن عزت اور نیک نامی ہی سے تو دنیا کے سارے کام نہیں چل سکتے۔ بالآخر حلیمہ نے اپنے شوہر سے مشورہ کیا جو اس کے ساتھ ہی گاؤں سے آیا ہوا تھا۔ "ابو شیما! تمھاری کیا رائے ہے؟ خالی ہاتھ گاؤں لوٹنا تو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اگر تم کہو تو سردار عبدالمطلب کے یتیم پوتے کو لے لوں۔ نہیں سے ہاں تو رہے گا۔ بچے کو ابھی آنکھوں سے دیکھا تو نہیں لیکن جانے کیا بات ہے کہ ابھی سے میرا دل اس کی طرف کھنچ رہا ہے۔"

حلیمہ کے شوہر نے کہا۔ "نیکبخت تو کہوں گا اس بچے کو ضرور لے چلو۔ وہ یتیم ہے تو کیا ہوا۔ کھاتے پیتے گھرانوں کے بچوں کو دوسری عورتوں نے چُن چُن کر لے لیا۔ لیکن یتیم اور غریب ہونا تو کوئی گناہ تو ہے نہیں جو عبداللہ کے لال کو کوئی دائی نصیب نہ ہو۔"

شوہر کی بات نے حلیمہ کے دل کی گرہیں کھول دیں۔ وہ تیز تیز قدموں سے عبدالمطلب کے گھر پہنچی۔ سردار اسی وقت اپنے اونٹوں کو پانی پلا کر فارغ ہوئے تھے۔ حلیمہ انکے پُر وقار چہرے کی طرف مؤدب نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی "سردارِ قریش! میں نے سُنا ہے خدا نے آپ کو ایک پوتا عطا فرمایا ہے میں ہوازن کی شاخ قبیلۂ بنو سعد سے تعلق رکھتی ہوں۔ اگر

آپ بچے کو دیہات کی کھلی ہوا میں دودھ پلوانا اور پرورش کرانا چاہیں تو میری خدمات حاضر ہیں۔" عبد المطلب جیسے پہلے ہی سے تیار ہوں۔ انھوں نے منظوری دے دی حلیمہ گھر کے اندر چلی گئی۔ بچے کی ماں آمنہ سے باتیں کیں، وہ بھی تیار ہی تھیں۔ حلیمہ نے بچے کو دیکھا تو بس دیکھتی ہی رہ گئی، نظر ہٹانے کو جی ہی نہ چاہتا تھا۔ آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ فرشتے سے زیادہ معصوم، چاند سے زیادہ روشن اور پھول سے زیادہ حسین پاکیزہ اور شگفتہ مکھڑا۔ جیسے کائنات کی ساری پاکیزگی، سارا حسن اور تمام کشش و دلفریبی سمٹ کر اسی پیکرِ نوری میں مرکوز ہوگئی ہو۔ حلیمہ نے بے اختیار آمنہ کے لال کو پالنے سے اٹھا کر اپنی آغوش میں لے لیا اس کی بلائیں لینے لگی اور ننھی منی روشن پیشانی پر پیار سے ایک بوسہ ثبت کر دیا۔

سورج ڈھل چکا تھا۔ حلیمہ کے ساتھ کی عورتیں شہر کے باہر اس کی منتظر تھیں۔ حلیمہ نے جلدی جلدی رخصت مانگی۔ آمنہ کے لئے اتنی عجلت میں اپنے نورِ نظر کو دیہات بھیجنے کیلئے ایک اجنبی عورت کے حوالے کر دینا کچھ آسان نہ تھا۔ بچے کی ولادت کے بعد سے کوئی دن ایسا نہ گذرا تھا جب کسی نہ کسی وقت ان کی آنکھیں مرحوم شوہر کی یاد میں بھیگ نہ جاتی ہوں۔ اندوہ و غم کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اپنی آغوش میں دمکنے والے دُرِ یتیم ہی کو دیکھ کر ان کی آنکھیں روشن تھیں اور ان کے دل کو اُمید و یقین کا سہارا حاصل تھا۔ تاہم بچے ہی کی بھلائی کے پیشِ نظر انھوں نے کلیجے پر پتھر رکھ کر اسے حلیمہ کے حوالے کر دیا۔ وہ دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی بھیگی ہوئی آنکھوں سے اس وقت تک حلیمہ اور اس کے سینے سے چمٹے ہوئے اپنے لال کو دیکھتی رہیں جب تک گلی کے موڑ پر وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئے۔

اور اب حلیمہ کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنے قبیلے ہی کی نہیں، حجاز اور عرب ہی کی نہیں بلکہ روئے زمین کی سب سے زیادہ خوش نصیب عورت ہے۔ جیسے کائنات کی ساری سعادتیں سمٹ کر اس کے دامن میں چلی آئی ہیں اور وہ انھیں لئے ہوئے اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو رہی ہے۔

"امِّ شیما! ــــ مبارک ہو۔ تم نے تو بازی مار لی ایسا بچہ تو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" حلیمہ کے شوہر کی منتظر نظریں جیسے ہی حلیمہ کے گود کے بچے پر پڑیں وہ وارفتگی کے عالم میں پکار اٹھا ــــ اور حلیمہ نے جیسے فخریہ لہجے میں جواب دیا۔ "میں نہ کہتی تھی کہ جانے کیوں میرا دل بغیر دیکھے ہی اس بچے کی طرف کھنچ رہا ہے۔"

اور پھر راستے بھر حلیمہ اور اس کے شوہر نے خدا کی قدرت کے جو عجیب و غریب کرشمے دیکھے وہ کبھی ان کے خواب و خیال میں بھی نہ گذرے تھے۔ قحط سالی کے باعث ان کی جس اونٹنی کو عرصے سے ٹھکانے کا چارہ تک نصیب نہ ہوا تھا اور لاغری کے باعث راستہ چلنا بھی کٹھن تھا وہ اس بابرکت بچے کے طفیل یکایک اچھی خاصی صحت مند ہوگئی تھی اور قافلے کے دوسرے اونٹوں سے آگے آگے چلی جا رہی تھی۔ حلیمہ کی سہیلیاں حیران تھیں لیکن اس کی کوئی توجیہہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

حلیمہ کے سینے میں اللہ نے عجیب و غریب دل رکھا تھا۔ وہ آمنہ کے لختِ جگر کو اپنے گھر لائی تو اس پر اسطرح ماما کی بارش کی کہ اسے محسوس ہونے لگا اس کی امی کو کھ نے اسے جنم دیا ہے۔ اپنے بچے کی دیکھ ریکھ تو وہ کبھی کبھی بھول بھی جاتی، پر آمنہ کے لال کی جانب سے ایک لمحے کیلئے غافل نہ ہوتی اور آمنہ کے لال کو بھی کبھی یہ محسوس نہ ہوا کہ وہ اپنی ماں سے بچھڑ گیا ہے۔ وہ حلیمہ کی گود میں وہی پیار، وہی مادرانہ شفقت اور ماما کی خنکی پاتا تھا جو اپنی ماں کی گود میں اس نے محسوس کی ہوگی۔ پھر اسے ماں کے بدلے میں ماں ہی نہیں ملی۔ وہ بھی ملے جو کہ میں نہ مل سکتے تھے۔ یعنی عبداللہ انیسہ، صدیقہ اور حذافہ جیسے پیارے بھائی بہن جو سو جان سے اپنے گھر کے ننھے منے مہمان پر فریفتہ تھے۔ حذافہ جسے سب پیار سے شیما کے نام سے پکارتے تھے، حلیمہ کی بڑی ہی نیک سنجیدہ سمجھدار اور سعادت مند بیٹی تھی۔ اللہ نے ویسے ہی پاکیزہ اور حسین شکل و صورت بھی عطا

فرمائی تھی۔ گندمی رنگت، حسن کے سانچے میں ڈھلا ہوا چہرہ اور چہرے پر اُبھرتی ہوئی صبح کی سی نورانیت اور کھلتے ہوئے پھول جیسی شادابی۔ خوبصورت آنکھوں میں شعور و سلیقہ مندی کی چمک اور حیا و محبت کی نمی۔ بھورے بھورے گھنگھریالے بال اور گلے میں سیپ کے موتیوں کی ایک مالا ــــ تو یہ تھی شیماء! گھر کے کاموں، بچوں کی دیکھ ریکھ، مویشیوں کی پرورش۔ غرض سب باتوں میں اپنی ماں کی معاون اور دست راست۔ یہ خوبیاں تو خیر شیماء میں پہلے ہی سے تھیں لیکن جب سے اس کے کنبے میں مکہ سے آئے ہوئے ایک ننھے منے نئے فرد کا اضافہ ہوا تھا شیماء کا کچھ عجیب سا حال ہو گیا تھا جیسے خدا نے اس کے دل پر اپنے نئے رضاعی بھائی کی بے پناہ محبت بارش کی طرح برسا دی ہو۔ وہ اپنی ماں سے بھی زیادہ اس کی خدمت کرتی تھی۔ گود میں لے کر سُلاتی تھی۔ کھلاتی پلاتی تھی۔ مُنہ دھلاتی اور کپڑے پہناتی تھی۔ غرض اپنے کو اسی کے کاموں کے لئے وقف رکھتی تھی۔

دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں بدلتے رہے اور مہینے سال کی صورت اختیار کرتے گئے۔ مکہ کے افق پر کچھ عرصہ پہلے جو ہلال طلوع ہوا تھا اسے آغوشِ حلیمہ کے برج میں آئے ہوئے پورے دو برس ہو گئے۔ اب اسکی روشنی و تابانی میں کافی ترقی ہو گئی تھی۔ دیہات کی کھلی ہوئی فضا، تازہ ہوا اور حلیمہ کے صحت بخش دودھ نے ہونہار بِرا میں چکنے چکنے پات نمودار کئے۔ جسم مبارک ہی کی نہیں ذہن و شعور کی بھی بھرپور نشوونما ہوئی۔ زبان کھلی تو اس طرح کھلی کہ باتوں کی مٹھاس کانوں میں قند و نبات کی تراوش کرنے لگی اور سننے والے بولنے والے کی ننھی سی عمر اور کلام کی مناسبت اور سلیقہ مندی دیکھ کر عش عش کرتے گئے۔

دو برس ہو گئے جب آمنہ کے دُرِ یتیم کے نور سے پہلی بار حلیمہ کی جھونپڑی کے در و دیوار جگمگائے تھے۔ حلیمہ کو خیال آیا، یہی معصوم سی جان تو آمنہ کی بیوگی کا سہارا ہے یاس کی تاریک رات میں اُمید کا چراغ ہے۔ بچے کے بغیر مامتا تڑپتی ہو گی۔ چنانچہ حلیمہ نے ایک دن بچے کو گود میں لیا۔ اونٹنی پر سوار ہوئی۔ مکہ آئی۔ آمنہ کی امانت ان کی گود میں دیدی۔ ماں کا دل دو برس کے بعد اپنے لال کو دیکھ کر نہال ہو گیا۔ لیکن اس زمانہ میں مکہ میں چیچک کی وبا پھیلی ہوئی تھی جو نہ جانے کتنے گھروں کو اُجاڑ چکی تھی۔ آمنہ نے تھوڑی دیر بچے کو پیار کرنے کے بعد کہا حلیمہ! اس وقت تو مکہ میں آگ لگی ہوئی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ محمد کو واپس لیجاؤ وبا کا زور ختم ہو گا تو پھر پہنچا دینا۔ حلیمہ محمد کو لے کر گاؤں لوٹ آئیں۔ گویا ان کی دلی مراد بر آئی۔ اس مرتبہ وہ حلیمہ کے گھر پورے چار برس رہے۔ اللہ اللہ! دنیا میں آنکھیں کھلنے کے بعد سے لیکر چھ برس کی عمر تک ایک بچہ جس گھر میں نشوونما پائے، اس گھر سے، گھر کے لوگوں سے، اس گاؤں سے اور گاؤں کے گلی کوچوں، چراگاہوں اور میدانوں سے اسے کتنی محبت، کتنا اُنس، کتنی یگانگت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس اتھاہ محبت کا اندازہ کون کر سکتا ہے جو محمد بن عبداللہ کو اپنی رضاعی ماں حلیمہ سے، رضاعی باپ حارث سے، رضاعی بہن بھائی شیماء، انیسہ، حذافہ اور عبداللہ سے رہی ہو گی۔ یہ وہ کنبہ تھا جس میں انھوں نے گھر کے ایک فرد ہی کی حیثیت سے لڑکپن کے چھ سال کا طویل زمانہ گزارا تھا۔ یہ وہ گھر تھا جس کے در و دیوار پر ان کی بچپن کی معصومانہ حرکات اور صبح و شام کے معمولات کی تصویریں منقش تھیں۔ اسی گھر میں آپنے چھ بہاریں دیکھی تھیں اور خزاں کے چھ دور گذارے تھے۔ اس گاؤں کی وہ گلیاں کتنی مبارک تھیں جن کے ذرّے چھ سال تک اس سرورِ دواں کے قدومِ ناز سے مَس ہوتے رہے۔ وہ میدان کیسے خوش نصیب تھے جن میں اپنے دودھ شریک بھائی بہنوں کے ساتھ اس ننھے منے چرواہے نے بکریاں چرائی تھیں۔ کیونکہ خدا آگے چل کر اس کو اپنے بندوں کی رہنمائی اور نگہبانی کا کام سونپنے والا تھا۔ ان چھ سالوں کے بے شمار واقعات میں سے وہ واقعہ ناقابل فراموش ہے جب ایک دن حلیمہ کی بڑی بیٹی شیماء اپنے پیارے رضاعی بھائی محمد کو گود میں لے کر ٹہلا رہی تھی اور انھوں نے جانے کس طرح شیماء کے

شانے پر اپنے دانت چبھو دیئے اور شیما کے نرم و نازک گندم گوں شانے پر تازہ خون کی شرخ بوندیں اُبھر آئیں شیما درد سے بے چین ہوگئی۔ اگر اس کے اپنے بھائی عبداللہ نے ایسی حرکت کی ہوتی تو نہ جانے وہ غصے میں اس کے ساتھ کس طرح پیش آتی۔ لیکن محمد کی محبت تو اس کی رگ رگ میں پیوست تھی۔ وہ صبح و شام اسی کے معصوم چہرے کی بلائیں لیکر تو جیتی تھی۔ اس کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اس طفلانہ حرکت کے لئے اپنے عزیز از جان رضاعی بھائی کے ساتھ کوئی انتقامی کارروائی کرے۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں کرب سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے اُبھرتے رہے۔ پلکیں بھیگتی رہیں اور قطرے رخساروں سے بہہ کر زمین پر گرتے رہے۔ شیما سسکیاں بھرتی رہی۔ ماں نے جب زخم کو دھویا اور مرہم لگا کر پٹی باندھی تو آرام ہوا۔ لیکن زخم کا داغ دائمی ہوگیا گویا قدرت نے اس کے بازوؤں پر ایک مہر لگا دی تھی۔ اس بیکراں محبت کی یادگار ثبت کر دی تھی جو محمد بن عبداللہ کے لئے اس کے دل میں موجزن تھی۔ محمد چھ سال بعد اپنی ماں کے پاس مکہ لوٹ گئے شیما بھی ماہ و سال کی گردشوں کے ساتھ جسمانی طور پر ترقی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ جوانی کی سرحدوں کو چھونے لگی۔ دیہات کی خاموش فضا میں پلی ہوئی معصوم سادہ اور پاکیزہ جوانی — گویا چمیلی کی کلی پھول بن رہی تھی۔ لیکن ان باتوں کے ساتھ ساتھ اسکے بازو پر اس کے رضاعی بھائی محمد بن عبداللہ کے دانتوں کا نشان اب بھی موجود رہا۔ موجود ہی نہیں رہا اور واضح اور گہرا اور نمایاں ہوگیا۔

●

"میں تم میں سب سے فصیح تر ہوں کیونکہ قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنو سعد کی زبان ہے۔"

یہ جملے دنیا کے سب سے بڑے انسان نے فخریہ ارشاد فرمائے تھے۔ جو اب صرف محمد ابن عبداللہ ہی نہیں، محمد رسول اللہ بھی تھا۔ جس پر اللہ رب العالمین کی طرف سے صبح و شام قرآن نازل ہو رہا تھا جس کی ڈیوڑھی پر جبریل امین خدائی قاصد بن کر حاضر ہوتے تھے اور جس کے کلام کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کے سامنے عرب کے فصحاء و شعراء سرنگوں تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو جو کچھ بخشا دنیا اپنی زبان حال سے اس کا اعتراف کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ لیکن بنو سعد کے قبیلے نے آپ کو جو کچھ دیا آپ نے اس کا کتنا کشادہ دل سے اعتراف فرمایا۔

محمدؐ ابن عبداللہ کی حقیقی ماں آمنہ جوانی ہی میں ہوگی کا زخم اور یتیم بچے سے کچھ دنوں آنکھیں ٹھنڈی کرنے کی حسرت لئے ہوئے دنیا سے کوچ کر گئیں لیکن ان کی دوسری ماں حلیمہ عرصے تک زندہ رہیں۔ انھوں نے جس نونہال کو اپنے دودھ سے سینچا تھا وہ تناور درخت بنا۔ اپنے برگ و بار پھیلائے اور اس سرو رواں پر جبرئیل امین ثمری وار نثار ہونے کے لئے شاخ طوبیٰ اور سدرۃ المنتہا چھوڑ کر مکہ کی گلیوں اور مدینے کی فضاؤں کا طواف کرنے لگے۔ محمد رسول اللہؐ کی رگ و پے میں حلیمہ کا دودھ خون بن کر گردش کر رہا تھا۔ اس خون میں حلیمہ کی بے پناہ محبت بھی گھلی ملی تھی۔ ایک بار عہد نبوت میں حلیمہ آپ کے پاس آئیں جانے کتنے زمانہ بعد ماں بیٹے کا سامنا ہوا تھا۔ حلیمہ کی آنکھوں میں ممتا کے آنسو اُبل آئے اور اللہ کے مقدس رسولؐ کے قلب مبارک میں تو جیسے جذبات و تاثرات کا ایک طوفان اُمنڈ پڑا۔ آپ "میری ماں — میری ماں" کہہ کر حلیمہ سے لپٹ گئے۔ حلیمہ نے آپ کو سینے سے لگا لیا۔ "میرے بچے! میرے لال، میرے لختِ جگر۔" کہتی ہوئی حلیمہ از خود رفتہ ہوگئی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ آج پھر دو برس کے محمدؐ ابن عبداللہ کو گود میں لئے ہوئے ہے۔ حلیمہ نے آپ کی پیشانی پر ایک طویل بوسہ دیا اور دونوں ماں بیٹوں میں دیر تک محبت بھری باتیں ہوتی رہیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ انسانیت کے سب سے بڑے ہادی اور رہنما کو جس خاتون نے اپنے دودھ سے سیراب کیا ہو اللہ تعالیٰ کی معیشت اسے تشنہ

ہدایت چھوڑ دیتی۔ آپؐ نے حلیمہ کو اسلام کی باتیں سمجھائیں اور دنیا و آخرت کی سعادتِ عظمیٰ کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ حلیمہ خوشی خوشی مسلمان ہو گئیں۔ ان کے علاوہ ان کے شوہر آں حضرتؐ کے رضاعی باپ حارث بن عبد العزیٰ بھی آپؐ کی بعثت کے بعد ایک بار مکہ آئے۔ آنحضورؐ سے ملاقات ہوئی آپ نے بتایا کہ اللہ نے مجھے منصب نبوت و رسالت پر سرفراز فرمایا ہے اور میرے پاس اپنا یہ فرمان بھیجا ہے کہ میں عرب عجم کو خدا کی توحید و یکتائی اور اپنی رسالت کا پیغام پہنچاؤں اور کفر و شرک اور طغیان و معصیت کا قلع قمع کروں۔ حارث کو پہلے تو یقین ہی نہ آیا کہ جس ننھے منے سے معصوم بچے کو حلیمہ یتیمی کی حالت میں مکہ سے لائی تھی اور جسے چھ سال تک اپنی جھونپڑی میں پالا پوسا تھا اور جو اس کے گاؤں کی چراگاہوں میں بکریاں چراتا رہا، اسے خداوند کائنات نے اتنا بڑا منصب جلیل سپرد کر دیا۔ انھوں نے تعجب سے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ محمد ابن عبد اللہ! یہ تم کیا کہتے ہو! کیا تم اتنا بڑا بوجھ اٹھا سکو گے؟ اور خدا کے رسولؐ نے بڑی خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کے ساتھ جواب دیا تھا۔ ہاں ہاں! وہ دن آئے گا، جب میں آپ کو دکھا دوں گا کہ میں سچ کہتا تھا ــــ اور یہ جواب سنکر حارث کا دل بول اٹھا تھا کہ محمدؐ کے پیچھے یقیناً خدائی ہستی بول رہی ہے۔ یقین و اعتماد کی اس پختگی کے ساتھ وہی انسان جواب دے سکتا ہے جسے محض اپنی قوت کا نہیں بلکہ پروردگار عالم کی مشیت و کارسازی کا سہارا پورے طور پر حاصل ہو۔

محمدؐ ابن عبد اللہ نے اپنے رضاعی باپ سے فرمایا تھا کہ ہاں ہاں وہ دن آئے گا جب میں آپ کو دکھا دوں گا کہ میں جو کچھ کہتا تھا وہ بالکل سچ ہے۔ آپؐ کا یہ قول ماہ و سال کی گردشوں کے ساتھ رفتہ رفتہ واقعات و حقائق کے پیکر میں ڈھلتا چلا گیا۔ اسلام کی تحریک کوہ صفا کی تقریر سے شروع ہوئی مکہ کی گلیوں اور خانہ کعبہ کے صحن میں پرستارانِ توحید کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی تعذیب و ابتلا نے اسے آگے بڑھایا۔ شعب ابی طالبؓ کی نظر بندی اور بلاکشانِ توحید کی ہجرت حبشہ نے اس داستان میں المناک ابواب کا اضافہ کیا۔ طائف کے سفر میں داعیِ اسلامؐ کے مقدس خون کی گلکاری نے اس کہانی کے سادہ خاکے میں رنگ بھرا۔ پھر وہ تاریخی رات آئی جس نے عرب ہی کی نہیں دنیا کی تاریخ اور اس کی تقدیر بدل دی۔ یعنی اللہ کے رسولؐ نے اپنے جاں نثار دوست حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں خاکِ حرم کو حسرت بھرے لہجے میں الوداع کہا اور غارِ ثور کی صعوبتوں اور مدینہ کے دو سو میل لمبے راستے کی کلفتوں کو برداشت کرتے ہوئے سرزمین مدینہ میں قدم رکھا۔ مدینے میں پہلی بار آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے مکے کے دشمنوں کے ظلم و ستم سے چھٹکارا پا کر آزاد فضا میں اطمینان کا سانس لیا اور آسمان کی آنکھوں نے ایک نئی آزاد خدائی سلطنت کے قیام کی داغ بیل پڑتے ہوئے دیکھی۔

لیکن یہ سکون و اطمینان بھی عارضی ثابت ہوا۔ ایک ہی سال بعد شرارِ بولہبی کے شعلے چراغِ مصطفویؐ سے بجھنے کے لئے پوری شدت سے بھڑک اٹھے۔ مدینے کی نوزائیدہ اسلامی ریاست پر معاندینِ مکہ نے پے در پے لشکر کشی شروع کر دی۔ اللہ کی معیت ہر مرحلے پر اپنے نبیؐ کی اعانت و دستگیری کر رہی تھی۔ دریائے کفر کی بپھری ہوئی موجیں غیض و غضب میں بھری آگے بڑھتیں اور عزم و استقامت کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتیں۔ بدر، احد، احزاب اور خندق کی معرکہ آرائیوں نے اچھی طرح ثابت کر دیا تھا کہ محمدؐ کے مدینے کے مٹھی بھر انصار اور تھوڑے سے مہاجرین ہی نہیں، کائنات کی سب سے بڑی طاقت ــــ اللہ رب العالمین اور اس کے قدوسیوں کے آسمانی لشکر بھی ہیں لیکن شیطان نے اپنے پرستاروں کی عقلوں پر جو گہرا حجاب ڈال دیا تھا وہ بآسانی ہٹنے والا نہ تھا۔ اہلِ عرب دیکھ رہے تھے کہ ان کا مذہبی اور تہذیبی و سیاسی مرکز مکہ اب بھی اسلام سے ٹکرانے کا دم خم رکھتا ہے۔ چنانچہ حدیبیہ میں مسلمانوں کو مکہ والوں کے مقابلے میں بظاہر دب کر صلح بھی کرنی پڑی ــــ لیکن یہ کفر کا آخری سنبھالا تھا اور قرآن نے

اس صلح کو فتح مبین سے تعبیر کر کے یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ اب چند ہی دنوں میں پرچم توحید خانہ کعبہ پر لہرانے والا ہے اور ہجرت کے آٹھویں سال واقعی مکہ بھی اسلام کے زیر نگین آگیا اور کفر کی گویا کمر ہی ٹوٹ گئی۔ اس انقلاب نے دور بین اور حقیقت شناس افراد کے فکر و شعور کی گرہیں کھول دیں۔ اور کفر کے بڑے بڑے سرداروں اور علمبرداروں نے اسلام کی قوت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔

لیکن عرب میں ایک ہی خطہ ایسا تھا جو اب بھی اسلام سے ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔ یہ حنین اوطاس اور طائف کا علاقہ تھا جس میں عرب کا مشہور جنگجو قبیلہ ہوازن دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ وہی قبیلہ تھا جس کی ایک شاخ بنو سعد میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد طفلی کے چھ سال گذارے تھے۔

فتح مکہ کے موقع پر ہوازن کے سرداروں کو کسی طرح یہ غلط افواہ پہنچ گئی کہ پیغمبر اسلام ان کے علاقے پر فوج کشی کرنے آرہے ہیں۔ ان لوگوں میں پہلے ہی سے اسلام کے خلاف معاندانہ جذبات بھڑکے ہوئے تھے اور وہ مسلمانوں سے ٹکر لینے کو بیتاب تھے۔ اس افواہ نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ انھوں نے انتظار کی بھی زحمت گوارا نہ کی اور خود ہی بڑے جوش خروش کے ساتھ فوج لیکر آگے بڑھے مسلمانوں نے فتح مکہ کی مہم سے واپس آکر ابھی اپنی کمریں ہی کھولی تھیں کہ ایک ماہ بعد یہ حملہ پیش آگیا۔ سرور عالم نے بھی بارہ ہزار جاں نثاروں کے کے ساتھ دفاع کی تیاری شروع کر دی۔ گذشتہ لوگوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی یہ تعداد بہت زیادہ تھی اس میں مکے کے وہ نوجوان بھی شامل تھے جو ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ان میں ایسا جوش بھرا ہوا تھا کہ اکثر بغیر اسلحہ ہی جنگ لڑنے چلے آئے تھے۔ بعض مسلمانوں کی زبان سے ازراہ غرور یہ جملہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا یہ پندار پسند نہ آیا۔ جنگ شروع ہوئی تو ہوازن کے تیر اندازوں نے اچانک کمین گاہوں سے نکل کر پہلے ہی حملے میں قیامت برپا کر دی۔ بڑے بڑے جاں نثار رکاب رسالت مآب کے پاس قائم نہ رہ سکے اور پراگندہ ہو گئے۔ تیروں کا مینھ برس رہا تھا۔ بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئی تھیں۔ صرف ایک پیکر قدس اپنی جگہ ثبات و استقامت کی چٹان بنا کھڑا تھا جو تنہا ایک فوج، ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم بلکہ مجموعۂ کائنات تھا۔ آپ نے دائیں طرف مڑ کر پکارا ــــ یا معشر الانصار! اس جاں نواز صدا کا سننا تھا کہ دل شکستوں میں ایک نیا حوصلہ عود کر آیا۔ جواب ملا ہم حاضر ہیں! ــــ پھر آپ نے بائیں طرف مڑ کر یہی آواز لگائی۔ ادھر سے بھی یہی جواب آیا۔ مہاجرین و انصار پروانوں کی طرح شمع رسالت کے گرد اکھٹے ہونے لگے۔ اب آپ سواری سے اتر پڑے اور پیغمبرانہ جاہ و جلال سے فرمایا:۔

انا النبی لا کذب — میں پیغمبر ہوں۔ یہ جھوٹ نہیں ہے۔
انا ابن عبد المطلب — میں عبد المطلب کا فرزند ہوں۔

اس کشش انگیز صدا کے گونجتے ہی تمام فوج یکبارگی پلٹ پڑی جن کے گھوڑے ہجوم کی وجہ سے نہ مڑ سکے انھوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے۔ میدان جنگ کا رخ پلٹ گیا۔ دشمن بھاگ نکلے اور جو رہ گئے انکے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ شکست خوردہ فوج اپنے سپہ سالار سمیت پراگندہ حالت میں کچھ اوطاس میں جمع ہوئی اور کچھ نے طائف میں جا کر پناہ لی۔ دشمن کی طاقت کا پورے طور پر استیصال ضروری تھا تاکہ اسے پھر سر اٹھانے کا حوصلہ نہ ہو اس لئے سرور کائنات نے فوج کا ایک دستہ اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔ وہاں بھی جمکر مقابلہ ہوا اور بالآخر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

مسلمان خون کے دریا سے نہا کر نکلے تو حالات کا جائزہ لینے لگے۔ قبیلۂ ہوازن کے جو افراد اسیر بنائے گئے تھے ان کی تعداد چھ ہزار تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ ان کے علاوہ چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی بھی مال غنیمت میں ملی تھی۔ یہ تمام قیدی اور اموال مقام جعرانہ میں جمع کئے گئے۔

●

"یا رسول اللہ! قیدیوں میں ایک خاتون آپ سے کچھ

عرض کرنا چاہتی ہے۔"

حضور اکرمؐ کسی گہرے خیال میں محو تھے کہ ایک ندیم خاص نے یہ اطلاع دی۔ آپ چونک اٹھے اور مستفسرانہ نظروں سے پیغام لانے والے کی طرف دیکھا۔

"حضور! وہ کہتی ہے کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں!" کہنے والے نے مزید بتایا۔

"اسے میرے پاس لے آؤ!" ــــ حضورؐ نے حکم دیا۔

چند ہی لمحوں بعد ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر کی گئی۔ ایک خاموش اور سنجیدہ لیکن اُترا ہوا اور گھبرایا ہوا نسوانی چہرہ آپ کے سامنے تھا۔ ساٹھ سے متجاوز ــ گویا جوانی بڑھاپے کی سرحدوں میں داخل ہو چکی تھی۔ بال سفید ہو چلے تھے اور گندم گوں جسم پر جھریوں کے ہلکے نشانات نمایاں تھے۔ خاتون نے حضورؐ کی سمت دیکھا' ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کسی کو اس کی کھوئی متاعِ گرانمایہ مل گئی ہو اور وفورِ شوق و مسرت سے اس کی پلکیں جھپکنے پر آمادہ نہ ہوتی ہوں۔ ان نظروں میں محبت تھی' یگانگت تھی اور بے پایاں شفقت بھی۔

"تم کون ہو!" ــــ حضورؐ نے دریافت فرمایا۔

"میں شیما ہوں میرے بھائی! ــــ تمہاری رضاعی بہن' حلیمہ سعدیہ کی بیٹی!"

"شیما؟" آپ چونک اٹھے! جیسے بہت دُور سے آپ کی آواز آئی ہو۔

"ہاں میں وہی شیما ہوں جس نے بچپن میں آپ کو گودوں میں پالا تھا۔ جس کے گھر آپ نے بچپن کے کئی سال گذارے تھے۔ اور جس کے شانے پر ایک بار آپ نے کاٹ لیا تھا ــــ یہ دیکھئے وہ نشان!"

اور پھر شیما نے اپنے کرتے کی آستین اُلٹ کر اپنے شانے پر سچ مچ دانت کاٹنے کا نشان دکھا دیا۔ قلب مبارکؐ میں جذبات و احساسات نے ایک ہل چل سی مچا دی۔ زندگی کے گذشتہ ماہ و سال جیسے اپنے تمام ہنگاموں اور واقعات و حوادث کے ساتھ ایک پردے کی طرح سمٹ کر درمیان سے اُٹھ گئے اور ۵۵ برس قبل کے مناظر حافظے کی لوح پر اُبھر آئے وہ گاؤں' وہ گلیاں' وہ میدان' وہ گھر اور گھر کے افراد ایک ایک کر کے یاد آتے چلے گئے۔ زندگی بھی کیسے کیسے کھیل دکھاتی ہے۔ کون جانتا تھا کہ ۶۰ سال پہلے ایک معصوم بچے کو کھلانے اور پالنے پوسنے والی سادہ دیہاتی لڑکی ۵۵ سال بعد اس بچے کے سامنے جنگی قیدی کی حیثیت سے پیش کی جائے گی۔ عجیب جذبات خیز منظر تھا۔ صحابۂ کرامؓ بھی آبدیدہ ہو گئے۔ حضورؐ جانے کتنی دیر تک تصورات کی دنیا میں کھوئے رہے۔ پھر اس خیال نے تڑپا دیا کہ شیما اب تک قیدی کی حیثیت سے آپ کے سامنے کھڑی ہے۔ وہ جو انسانیت کے سب سے بڑے محسن کی پرورش کرنے والی تھی آج خود رحم و کرم کی التجا لے کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔ آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور شانۂ مبارک سے کالی کملی اُتاری اور زمین پر بچھا کر فرمایا "شیما! میری بہن! اس پر بیٹھ جاؤ!"

اور شیما اس چادر پر بیٹھ گئیں۔ اللہ اللہ! یہ چادر کس کی تھی۔ سرورِ کائنات فخرِ موجودات' تاجدارِ کشورِ رسالت حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک' جسکو آنکھوں سے لگانا فرشتے فخر و ناز کی بات سمجھتے تھے۔ یہ چادر کس کے اعزاز و اکرام میں فرشِ خاک پر بچھا دی گئی تھی۔ عرب کے ایک بدوی قبیلے کی ایک معمولی سال خوردہ عورت کے لئے' جس کے قبیلے والے اسلام کا چراغ گُل کرنے کے لئے بڑے طمطراق سے اُٹھے تھے اور اب ہار جانے کے بعد ان کی مشکیں کسی جا چکی تھیں۔

رضاعی بھائی اور بہن میں دیر تک اُنس و محبت کی باتیں ہوتی رہیں اور ایک دوسرے کی خیریت اور متعلقین کے احوال پوچھے جاتے رہے۔ پرانی یادیں تازہ ہوتی رہیں۔ لیکن یہ اطمینان کا موقع نہ تھا۔ آنحضورؐ نے شیما کو چند اونٹ اور بکریاں عطا فرمائیں اور فرمایا کہ جی چاہے تو مدینہ چلی چلو اور میرے گھر رہو اور اپنے گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ بال بچوں اور گھر والوں کی محبت شیما کی دامن گیر ہوئی اور انھوں نے آپؐ سے وطن جانے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے انھیں عزت و اکرام کے ساتھ گھر پہنچا دیا۔

حنین کے معرکے میں جتنا مالِ غنیمت ہاتھ لگا تھا اتنا پہلے کبھی نہیں لگا تھا۔ ڈیڑھ دو ماہ قبل مکہ فتح ہوا تھا۔ وہاں کے اکثر رؤساء اسلام قبول کرنے کے باوجود اسلام کی صداقت کے بارے میں مذبذب تھے۔ وہ بھی حنین کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ ان لوگوں کی تالیفِ قلوب کے لئے حکمت و سیاست کا اقتضا تھا کہ تقسیم اموال میں انکو خاص طور پر نوازا جائے۔ آنحضرتؐ نے سردار مکہ ابوسفیانؓ اور ان کی اولاد کو ۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ حکیم بن حزم کو ۲۰۰ اونٹ آٹھ خاندانوں کو ۱۰۰ — ۱۰۰ اونٹ اور بہت سے لوگوں کو ۵۰ — ۵۰ اونٹ مرحمت ہوئے۔ عام فوج میں ہر سوار کو بارہ اونٹ اور ۱۲۰ بکریاں اور پیدل فوج میں ہر ایک کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں ملیں۔

مکہ کے جدید الاسلام لوگوں کے اس طرح نوازے جانے کی حکمت انصار کے چند ناپختہ فکر نوجوانوں کی سمجھ میں نہ آسکی۔ انھوں نے آپس میں چہ می گوئی کرتے ہوئے کہا۔ "رسول اللہؐ نے قریش پر تو انعامات کی بارش کی اور ہمیں محروم رکھا۔ حالانکہ اب تک ہماری تلواروں سے قریش کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔" کچھ دوسروں نے کہا۔ "مشکلات میں ہماری یاد ہوتی اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔"

آنحضرتؐ کو خبر ملی تو آپ نے ایک چرمی خیمہ نصب کرا کے انصار کو طلب فرمایا۔ لوگ جمع ہوئے تو ان سے دریافت فرمایا "کیا یہ واقعہ ہے؟"

انصار دل کے بھی سچے تھے اور زبان کے بھی۔ انھوں نے کہا۔ "حضورؐ! آپ نے جو کچھ سنا ہے وہ صحیح ہے۔ لیکن یہ چند نوخیز نوجوانوں نے کہا ہے۔ ہم میں سے کسی ذمہ دار شخص کی زبان سے یہ بات نہیں نکلی ہے۔"

آنحضورؐ کی پُروقار صدا گونجی — "اے گروہِ انصار! بتاؤ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعے تمھیں ہدایت بخشی؟ تم منتشر اور پراگندہ تھے خدا نے میرے ذریعے تم میں اتفاق پیدا کیا؟ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعے تمھیں آسودہ حال کیا؟"

انصار آپ کے ہر سوال پر کہتے جاتے تھے — "بیشک اللہ اور رسولؐ کا احسان ہم پر سب سے بڑھ کر ہے۔"

"لیکن نہیں" حضورؐ نے فرمایا۔ "تم میری باتوں کا یوں بھی جواب دے سکتے ہو کہ اے محمد! جب تمھاری قوم نے تمھیں جھٹلایا تو ہم نے تمھاری تصدیق کی۔ جب لوگوں نے تمھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تو ہم نے تمھیں پناہ دی۔ تم مفلس آئے تھے ہم نے ہر طرح سے تمھاری مدد کی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں کہتا جاؤں گا تم سچ کہتے ہو — لیکن اے انصار! یہ تو بتاؤ! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ اونٹ اور بکریوں کے ساتھ گھر لوٹیں اور تم محمد کو ساتھ لے کر لوٹو۔"

"ہم کو صرف محمدؐ درکار ہے — ہم کو صرف محمد درکار ہے۔" انصار بے اختیار چیخ اٹھے۔ روتے روتے بہتوں کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ حضورؐ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے ان کو جو کچھ دیا ان کے حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیفِ قلب کے لئے دیا۔

حنین کے اسیرانِ جنگ اب تک جعرانہ میں محفوظ تھے۔ حضورؐ اس انتظار میں تھے کہ ان کے عزیز و اقارب آئیں تو ان سے گفتگو کی جائے۔ کئی دن کے بعد ایک معزز سفارتی وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اسیروں کی رہائی کی درخواست پیش کی۔ یہ وفد قبیلہ بنو سعد کے رؤساء پر مشتمل تھا۔ وہی بنو سعد جس کی ایک فرد حلیمہ سعدیہؓ تھیں۔ سردار قبیلہ زہیر بن صرد نے کھڑے ہو کر ایک بلیغ تقریر کی جس میں کہا:-

"اے محمد! جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں ان میں تمھاری پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں۔ خدا کی قسم! اگر سلاطینِ عرب میں سے کسی نے ہمارے قبیلے کا دودھ پیا ہوتا تو ہمیں ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور تم سے تو ہم اور بھی

زیادہ مروّت اور فراخدلی کی امید رکھتے ہیں!"

زہیر نے بڑی جتھی ہوئی بات کہدی تھی۔ بات نامعقول بھی نہ تھی۔ لیکن شاید زہیر یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ ملوک و سلاطین اور نبی عربیؐ میں کیا فرق تھا۔ زہیر اتنا ہی جانتا تھا کہ بادشاہ مطلق العنان اور خود مختار ہوتے ہیں۔ انھیں رعایا کے جان و مال پر ہر قسم کا تصرف حاصل ہوتا ہے۔ ان کے فیصلوں میں عوام کی رائے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ان کا اشارہ ابر و قانون اور دستور کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کی جبینِ پیشانی سے انسانوں کی تقدیروں کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ایسی ہی مستبد اور مطلق العنان شہنشاہیتیں عرب کے اردگرد صدیوں سے تختِ اقتدار بچھائے ہوئے دادِ خدائی دے رہی تھیں اور اب خدا کی مشیت کا اقتضا تھا کہ ان جھوٹی خدائیوں کو صفحۂ زمین سے پاک کر دیا جائے۔ خدا کی دنیا میں، خدا کی سچی حکومت قائم کی جائے اور اس حکومت میں حقیقی جمہوریت کارفرما ہو جس میں خادم و مخدوم، مالک و مملوک حاکم و محکوم اور محتاج و غنی کا فرق نہ ہو۔ جن میں انتظامِ مملکت اور سیاست و حکومت سے متعلق تمام فیصلے جمہور کے مشورے سے صادر کئے جاتے ہوں۔ یہ سچ تھا کہ حضور اکرمؐ کی ذاتِ گرامی اپنے پیروؤں پر کسی دنیاوی بادشاہ سے کم تصرف و اقتدار نہ رکھتی تھی۔ روم و شام اور مصر و ایران کے بادشاہ صرف اپنی رعایا کے جسموں کے مالک تھے۔ محمد رسول اللہؐ کی حکومت اپنی جاں نثار رعایا کے دلوں اور روحوں پر تھی۔ تاہم آپؐ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ ہوازن اور بنو سعد کے قیدیوں کی رہائی کا فیصلہ محض اپنی رائے سے فرمادیں۔ محض اس بنا پر کہ آپ نے اس قبیلے کا دودھ پیا ہے اور آپؐ کو ان سے خاص تعلقِ خاطر ہے۔ آپ کے سامنے خدائی حکم و شاورھم فی الامر تھا۔

حضورؐ نے اوکانِ وفد سے فرمایا، سنو! قیدیوں میں خاندان عبد المطلب کا جتنا حصہ ہے وہ تمہارا ہے۔ لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب سب لوگ جمع ہوں تو ان کے سامنے یہ درخواست پیش کرو۔ ظہر کی نماز کے بعد شہنشاہِ عربؐ اپنے تختِ سلطنت — مصلّے پر رونق افروز ہوئے۔ جلو میں مہاجرین و انصار کے گروہ تھے۔ بنو سعد کے وفد نے سب کے سامنے اپنے قیدیوں کی رہائی کی درخواست پیش کی۔ دنیا کی اولین خدائی مملکت کے سربراہ کے لبِ اقدس متحرک ہوئے فرمایا:—

"مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے۔ لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان لوگوں کی رہائی کے لئے سفارش کرتا ہوں"

بارہ ہزار گردنوں نے خم ہو کر بیک زبان آواز دی:—

"ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔ ہمارا حصہ بھی حاضر ہے۔"

اور دفعتاً چھ ہزار اسیر آزاد ہو گئے۔

تلاشِ راہِ حق

از:- اسعد گیلانی

خطوں کی زبان میں ایک روداد

● مولانا سید سلیمان ندویؒ ● مولانا اشرف علی تھانویؒ۔
● مولانا مناظر احسن گیلانی ● مولانا منظور نعمانی
● مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی ● میاں طفیل محمد
● چودھری علی احمد

قیمت — دو روپے

قافلۂ سخت جاں

از:- اسعد گیلانی

نظرِ ثانی کیا ہوا تازہ ایڈیشن

جب جماعتِ اسلامی کے اراکین جیلوں میں بھر دیئے گئے — اس وقت کی فکر انگیز کہانی تیکھے اور دل آویز انداز میں۔

قیمت — چھ روپے

مکتبہ تجلی - دیوبند (یو-پی)

مسجد سے میخانے تک

ملا ابن العرب مکی

(۴)

گھڑی کی سوئی ساڑھے چار کے قریب جا چکی تھی۔

"صوفی غمگین ——— تم بری طرح پچھتاؤ گے ——— آخر تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ دلاور شاہ ایک خود غرض اور لالچی آدمی ہے۔ وہ خود تمھیں بھی دھوکا دے جائے گا۔"

"کس قسم کا دھوکا؟"

"ہر قسم کا دھوکا ——— فرض کرو وہ شمشاد پر خود ہی قابض ہو جائے۔ تمھیں ہوا بھی نہ دے۔"

"شمشاد کوئی جنت کی حور نہیں ہے پیر و مرشد ——— دلاور شاہ زیادہ سے زیادہ وہی کر سکتا ہے جو ہر عیاش طبع آدمی کرتا ہے ——— میرا اس میں کیا حرج ہے۔"

"پھر تمھارا کس بات میں حرج ہے ——— مرد و دراز لی" میں بھنا گیا۔

"آپ انسانیت کے جامے میں آجائیں تو میں بتا سکتا ہوں کہ کم سے کم دو ہزار روپے آپ کتنی آسانی سے کما سکتے ہیں؟"

"روپے ——— روپوں کا اس وقت کیا ذکر تھا۔"

"روپوں کا ذکر کسی ٹائم کا محتاج نہیں ہے بھائی صاحب ——— آپ کتنے ہی متقی ہوں مگر روپے کی ضرورت سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔"

"مقصد بیان کرو۔"

"میں شمشاد کو اپنی شریک حیات بنانا چاہتا ہوں۔ آپ اگر خواہ مخواہ کی لڑائی بھڑائی کے عوض مجھے اس سے نکاح کرنے میں مدد دیں تو دو ہزار نقد آپ کی ہتھیلی پر گن دوں گا۔"

"تم اسے شریک حیات بناؤ گے ——— حالانکہ تم خود جانتے ہو کہ وہ دلاور شاہ کی ہوس کا نشانہ بن چکی ہو گی۔"

"بن جانے دیجئے۔ آپ کو ان باتوں سے بحث نہ ہونی چاہیئے۔"

"چلو میری بلا سے ——— گاڑی تو روکو ——— اس طرح وقت برباد کرنے سے تمھارے سہرے کے پھول کس طرح کھل سکتے ہیں۔"

"قسم کھایئے کہ آپ ہاتھا پائی سے باز رہیں گے۔"

"بالکل قسم کھاتا ہوں ——— اگر تم نے جھوٹ نہیں بولا تھا تو اب اونٹ گاڑی بنگلے میں پہنچ ہی گئی ہو گی یا پہنچنے ہی والی ہو گی ———"

"وہ جھوٹ ہی تھا ——— جب تک میں نہ پہنچوں دلاور شاہ اپنی جگہ سے ہلنے والا نہیں۔"

"کیا گاڑنٹی ہے تم نے اسکے پیروں میں بیڑیاں تو نہیں ڈال رکھیں۔"

"ڈال رکھی ہیں ———" یہ فقرہ انھوں نے ذو معنی انداز میں کہا اور جیب روک دی ——— "اگر آپ پر خون ہی سوار ہے ملا صاحب تو لیجئے دبا دیجئے گھوڑا ———"

میں نے پریوالور جیب میں ٹھونس لیا ——— "ابھی میں معاملہ کی گفتگو کرنا چاہتا ہوں ——— سب سے پہلے یہ بتاؤ چکر ہے تو کیا ہے؟"

"بس یہی کہ میں شمشاد سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ تو میں نے سن لیا ——— مگر کیوں۔ آخر کیوں؟"

"ساری دنیا نکاح کرتی ہے ——— میں ہی اگر کر لوں تو کونسا عجوبہ ہو گا۔"

"بکواس مت کرو ——— میں حقیقت حال معلوم کرنا چاہتا ہوں ——— شمشاد ایک طوائف زادی ہے۔ بہت حسین بھی نہیں۔ دولتمند بھی نہیں۔"

"یہ سب میرے سوچنے کی باتیں ہیں ——— آپ اپنا نفع دیکھئے۔"

یہ کہتے ہوئے انھوں نے قمیص کے اندر ہاتھ ڈال کر کمر سے بندھی ہوئی ایک چرمی پیٹی کھولی اور پھر اس میں بنے ہوئے ایک خانے سے سو سو کے نوٹوں کی گڈی برآمد کی۔

"یہ ہیں وہ بیڑیاں جو میں نے دلاور شاہ کے پیروں میں ڈال رکھی ہیں۔ جب وہ شمشاد کو میرے حوالے کر دے گا تو اس میں سے پچاس نوٹ اس کی جیب میں چلے جائیں گے ——— آپ مفاہمت کر لیجئے۔ دو ہزار آپ کے لئے بھی حاضر ہیں ——"

غالباً دس ہزار کے نوٹ تھے۔ میں جھوٹ کیوں بولوں ایک دفعہ کو تو جھرجھری سی میرے بھی سارے بدن میں دوڑ ہی گئی۔

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"بس اتنا کہ شمشاد کو میری بیوی بنوا دیجئے ——— جس وقت بھی نکاح کی مجلس جمے گی نکاح سے قبل ہزار آپ کو دے دیئے جائیں گے اور ہزار بعد میں ——"

"فرض کرو میں ابھی ——— اسی وقت یہ سب روپے تم سے چھین لوں ——— ؟"

"آپ ایسا نہیں کر سکتے ——— کر سکتے ہیں مگر کریں گے نہیں ——"

ان کے لہجے میں تیقن تھا۔

"میں شمشاد کو یقیناً تمہاری بیوی بنوا سکتا ہوں۔ مگر مجھے وجہ بتاؤ ——— میں جب تک اصل حقیقت نہ جان لوں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا ——"

"اصل حقیقت بس یہی ہے کہ میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں ——"

"پھر تم غصہ دلا رہے ہو ——— ابھی کچھ دیر پہلے تم خود ہی بکواس کر رہے تھے کہ عشق اس بیسویں صدی میں کون کس سے کرتا ہے ———"

"آپ سمجھدار آدمی ہو کر فضول باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ سوچ لیجئے دو ہزار نقد۔ آپ کے ——— چلئے ڈھائی سہی ——"

میری ذہنی حالت اس وقت اچھی نہیں تھی۔ قوتِ فیصلہ پتھر ہو کر رہ گئی تھی۔

"صوفی صاحب ——— آپ سے بڑا احمق شاید ہی دنیا میں کوئی ہو ——— جب شمشاد اتنی قیمتی ہے تو دلاور شاہ اسے اپنی ہی بیوی کیوں نہ بنائے گا ——"

"اسے شمشاد کی قیمت نہیں معلوم ——— اسے کیا خود شمشاد یا اسکی ماں کو بھی نہیں معلوم ——"

"کیا ایسا بھی ہو چکا ہے کہ تم نے وحیدن سے رشتہ مانگا ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو؟"

"جی ہاں۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو یہ سارے پاپڑ کس لئے بیلے جاتے۔ خود وحیدن کو راضی کر لینا تو زیادہ مشکل نہیں تھا مگر وہ بدبخت یٰسین مرزا۔ اس نے دال نہیں گلنے دی ——"

"کیا وہ شمشاد کی قیمت جانتا ہے ——"

"نہیں ——— مگر وہ شمشاد کو داشتہ بنا کر رکھے گا ——— آپ کچھ نہیں جانتے ملا جی۔ لیجئے میں بتاتا ہوں ——— ابھی کچھ دن پہلے یٰسین مرزا نے شمشاد کا ہاتھ پکڑ کر وحیدن سے کہا تھا کہ اب یہ میری انگوٹھی کا نگینہ بننے کے قابل ہو گئی ہے۔ شمشاد روہانسی تھی مگر وحیدن کی یہ مجال نہ ہو سکی کہ یٰسین مرزا کے ہاتھ سے بیٹی کا ہاتھ چھڑا لے ——— البتہ اس نے بہت خوشامد کے بعد یٰسین مرزا سے اتنی مہلت لے لی تھی کہ بیٹی کو کلیر شریف کے عرس میں لیجا کر صابر پیا کی بارگاہ میں ایک مجرا پیش کر دے۔"

"اس سے کیا حاصل ہونا تھا؟"

"بریلی کے شاہ قیامت حسین کو تو آپ کیا جانتے ہوں گے۔ وہ بمبئی میں عرصے سے مقیم ہیں۔ وحیدن انھی کے پاس گئی تھی اور اپنا دکھڑا رو دیا تھا کہ بہت پریشان ہوں۔ انھوں نے تعویذ گنڈے دیئے تھے اور کہا تھا کہ اپنی بیٹی سمیت کلیر کی داتا کی درگاہ میں جاؤ اور حجرا دے کر ماتھا رگڑو۔ ہر مشکل آسان ہو جائے گی ——"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کلیر سے واپسی پر شمشاد یٰسین مرزا کے حوالے ہو جائے گی ——"

"سوفیصدی ——— آپ خود ایمانداری سے فیصلہ

کیجئے کہ آپ کی بھتیجی کے لئے گناہ کی ناپاک زندگی موزوں رہے گی یا وہ پاک وصاف زندگی جسکی طرف میں اسے لیجانا چاہتا ہوں۔"

"یہ تو تمہاری بکواس ہے ــــ تم خود کوئی نیک مقصد نہیں رکھتے ــــ"

"چلئے میرا مقصد نیک نہ ہو مگر اسے واشتہ تو نہیں بنانا چاہتا ــــ میں اس سے باقاعدہ نکاح کرنا چاہتا ہوں"

"مگر لیبین مرزا تمہیں زندہ کیسے چھوڑے گا؟"

"میں خود بھی اس بارے میں کافی سوچ چکا ہوں ــــ بس ایک ہی راستہ ہے۔ یا وہ زندہ رہے یا میں ــــ"

"خدا کی پناہ۔ تم قتل کے مرتکب ہوگے؟"

"جو کچھ بھی ہو ــــ شمشاد کو اپنی شریک حیات بنانے کے لئے میں سب کچھ کر گذرنے پر ہمہ تن آمادہ ہوں ــــ اوہ شاید آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ غمگین مجھ سے پٹ گیا تو لیبین مرزا کا مقابلہ کیا کرے گا ــــ ملا بھائی! ــــ آپ واحد آدمی ہیں جس سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ شمشاد اور اس کی ماں کو میرے حق میں ہموار کر سکے گا ورنہ ــــ"

دفعتاً انھوں نے میری دونوں کلائیاں اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے لیں اور یہ گرفت ایسی ہی فولادی تھی کہ مجھے تارے نظر آ گئے۔

"آپ مر بھی جائیں ملا بھائی تو ہاتھ چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

پھر یک لخت انھوں نے ایک جھٹکا سا مارا اور اگلے ثانیے میرا ریوالور ان کے ہاتھ میں تھا ــــ

"ان کھلونوں سے میں بہت کھیلا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے انھوں نے ریوالور میری گود میں ڈال دیا ــــ "آپ کے لئے تو میرا فقط ایک ہاتھ ہی کافی تھا ملا بھائی ــــ بلکہ پیر و مرشد۔"

مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا جلا گیا ــــ کہوں تو کیا کہوں۔ وہ بولتے رہے ــــ "آپ آزمانا چاہیں تو اجازت دیجئے کہ میں ایک ہاتھ رسید کر دوں ــــ میرا دعویٰ ہے آپ دس منٹ تک اپنے پیروں پر کھڑے نہ ہو سکیں گے ــــ"

"اب ڈینگیں نہ مارئیے صوفی صاحب ــــ میں خود کر رہا ہوں کہ لیبین مرزا کے مقابلہ میں آپ بہرحال قابل ترجیح ہیں۔"

"زندہ باش پیر و مرشد ــــ یہی توقع تو مجھے آپ کی ذات گرامی سے تھی۔"

"مسکے بازی پر مجھے غصہ آ سکتا ہے ــــ"

"زہے نصیب ــــ آپ غصہ کر لیجئے۔ آپ دیکھیں گے خادم کی ہڈیوں میں ابھی آپ کے ایک درجن گھونسے ہضم کر لینے کا بوتا موجود ہے ــــ"

"چلو اب دلاور شاہ کی خبر لو ورنہ تمہاری ہونے والی زوجہ کو وہ سچ مچ ہضم کر جائے گا ــــ"

"چلئے ــــ مگر وعدہ ہے نا؟"

"دیکھا جائے گا ــــ"

جیپ ٹرن کی گئی۔ گھڑی پانچ بجا رہی تھی۔ صبح صادق کا اجالا مناظر کے چہرے سے نقاب الٹتا جا رہا تھا۔

بہت سے موڑ مڑنے اور کتنی ہی سڑکیں طے کرنے کے بعد گاڑی ایک ایسی عمارت کے قریب رکی جسکے گرد قد آدم احاطہ تھا۔ احاطہ کا آہنی پھاٹک بند تھا۔ ہم دونوں پھاٹک کے قریب پہنچے۔ اسکے جال سے اندر کا وسیع لان صاف نظر آ رہا تھا مگر کسی آدم زاد کی شکل نہیں دکھائی دی۔ صوفی صاحب نے جال سے منھ لگا کر کسی رحمت علی کو آواز دی۔ اگلے منٹ دائیں سمت سے ایک بوڑھا آدمی سامنے آیا اور پھر پھاٹک کھلنے میں دیر نہیں لگی۔

"خیریت تو ہے رحمت علی؟" صوفی صاحب نے اس سے سوال کیا۔

"میں تو بھرپایا صاحب ــــ آپ لوگوں نے وعدہ کیا تھا کہ کسی بھی قسم کی گڑبڑ پیش نہیں آئے گی۔ مگر یہاں تو رات بھر اسی پریشانی میں گذر گئی کہ دیکھئے صبح کب ہوتی ہے؟" بوڑھا گھبرایا ہوا تھا۔

"آخر ہوا کیا ــــ"

"اب کیا کہنا صاحب ــــ کبھی تو بیگم صاحب نے چیخم دھاڑ مچائی اور کبھی صاحبزادی نے آسمان سر پر اٹھایا وہ تو کہیئے پڑوس دور ہے۔ ورنہ محلہ میں جگار ہو جاتی ــــ"

"تم نے کسی نہ کسی کھڑکی یا روشندان سے جھانک کر تو دیکھا ہوگا کہ اندر کیا ہو رہا ہے ــــ" صوفی صاحب نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"کیسے نہ دیکھتا ــــ" بوڑھا بولا "آپ کے ساتھی نے بیگم صاحبہ اور ان کے ساتھ والے آدمی کو ہال کمرے میں بند کر دیا تھا اور صاحبزادی کو دوسرے کمرے میں اٹھا کر لے گئے تھے ــــ مجھے کیا معلوم تھا صاحب ایسا کچھ ہوگا ورنہ کبھی بھی مکان نہ دیتا ــــ"

"اوہو" میں نے دخل دیا ــــ "تم بوڑھے میاں شاید سمجھ رہے تھے کہ مکان عبادت کے لئے دیا گیا ہے ــــ"

بوڑھے نے بے کسی کے انداز میں میری طرف دیکھا پھر کہنے لگا ــــ "حضور عیش کے بھی طریقے ہوتے ہیں۔ اب یہ کیا طریقہ ہوا ــــ"

"بکو مت ــــ" صوفی صاحب جھلا اٹھے ــــ "جاؤ تم اپنے کوارٹر میں بیٹھو ــــ" یہ کہکر انھوں نے سو کا نوٹ بوڑھے کے ہاتھ پر رکھدیا ــــ "یہاں جو کچھ ہوا ہوگا اسے بھول جانا ــــ سمجھے ــــ"

بوڑھا نوٹ مٹھی میں دبائے سامنے والے کوارٹر میں چلا گیا۔ اسی لمحے عمارت کے صدر دروازے پر دلاور شاہ نظر آئے۔ میری طرح صوفی صاحب کی نظر بھی ان پر پڑ گئی تھی وہ آگے نہیں بڑھے بلکہ مجھے بھی بڑھنے سے روکا۔

"یہیں ٹھیرے رہو ــــ" انھوں نے میرا بازو پکڑ کر کہا ــــ "اب میں دیکھوں گا کہ دلاور شاہ کے بدن میں کتنی جان ہے ــــ"

"یہ حماقت ہوگی صوفی صاحب ــــ پہلے یہ تو دیکھیں کہ شمشاد وغیرہ کس حال میں ہیں ــــ"

"وہ جس حال میں بھی ہوں اس مردود نے وعدہ کیا تھا کہ اسے صرف اپنے پیسوں سے سروکار ہے گا ــــ"

"مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ ــــ میرا حرج ہی کیا ہے ــــ"

"اب بحث کا موقعہ نہیں ــــ"

دلاور شاہ قریب آگیا تھا۔

"آپ کہاں رہ گئے تھے صوفی صاحب" اس نے قریب آتے ہی سوال کیا۔ اس کی آنکھوں میں تحیر تھا۔ شاید میری موجودگی اس کے لئے اچنبھا ثابت ہوئی تھی۔

"مجھے یہ بتاؤ وہ تینوں کس حال میں ہیں" صوفی صاحب نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"اچھے حال میں ہیں۔ شاید خوابِ راحت کے مزے لوٹ رہے ہیں ــــ"

"اور تم نے انھیں لوریاں دیکر سلایا ہوگا ــــ"

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا ــــ صوفی کا لہجہ اس کے ڈنک بن کر چبھا تھا۔

"چوکیدار نے بتایا ہے کہ تم اپنی درندگی کا مظاہرہ کئے بغیر نہیں رہے ــــ"

"لہجہ درست کر کے بات کرو غمگین صاحب ــــ میں پوچھتا ہوں تم آخر اتنک کہاں گئے تھے۔ انتظار کے یہ لمحے مجھ پر بہت شاق گذرے ہیں ــــ"

"ضرور گذرے ہوں گے۔ تمہاری صورت ہی سے ظاہر ہے ــــ"

"اوہو ــــ معلوم ہوتا ہے ان صاحبزادے کا جادو تم پر بھی چل گیا ہے ــــ" اس نے تضحیک کے طور پر میری طرف اشارہ کیا ــــ "خیر میں تو اپنی ڈیوٹی انجام دے چکا۔ تمہاری محبوبہ اندر موجود ہے ــــ لاؤ میری مزدوری دے کر مجھے رخصت کرو ــــ"

"ضرور دوں گا مگر یوں نہیں ــــ تم اندر چل کر مجھے دکھلاؤ تو وہ کس حال میں ہیں ــــ"

دلاور شاہ نے تفکر آمیز نظروں سے صوفی صاحب کو گھورا پھر لاپروائی کا اظہار کرنے کے انداز میں شانے

ہلائے اور عمارت کی طرف پلٹا ۔۔۔ "چلو ۔ زیارت کرادوں ۔۔۔ مگر میں اب ٹھیرونگا نہیں ۔ بہتر ہوگا کہ میرے حصے کے نوٹ یہیں گن کر مٹھی میں دبالو ۔۔۔"

"ہاں ہاں نوٹ فوراً لیں گے ۔ میں ایک نظر شمشاد کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں ۔"

برآمدے سے گذر کر دلاور شاہ ایک دروازے پر رکا جسکی کنڈی باہر سے چڑھی ہوئی تھی ۔ ہم دونوں ساتھ ہی تھے ۔ کنڈی کی طرف اشارہ کر کے دم صوفی صاحب سے بولا ۔

"اسے کھول لو ۔ وہ تینوں اسی ہال کمرے میں ہیں ۔"

یہ کہکر وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا ۔ صوفی صاحب نے آگے بڑھکر زنجیر گرائی اور پھر ہم تینوں اس سچوئیشن میں اندر داخل ہوئے کہ دلاور شاہ پیچھے تھا اور ہم دونوں آگے ۔ سامنے ایک صوفے پر وحیدن ، شمشاد اور استاد نذر و نظر آئے ان کے چہروں کی ویرانیاں قابل دید تھیں ۔ ہمیں دیکھ کر وہ بری طرح چونکے اور کھڑے ہوگئے ۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس عجیب و غریب موقعہ پر گفتگو کا آغاز کس طرح ہونا چاہیئے کہ دفعتاً صوفی صاحب کی کہنی میری کوکھ سے ٹکرائی اور اس سے قبل کہ میں سنبھالا لے سکوں صوفی اور شاہ گتھم گتھا نظر آئے ۔ کہنی میری کوکھ میں اتفاقاً لگی تھی ورنہ صوفی صاحب نے یکلخت مڑکر دلاور شاہ پر جست کی تھی ۔ جست شاید اس ریوالور کو چھین لینے کی غرض سے کی تھی جسے دلاور نے اس وقت نکالا تھا جب صوفی صاحب زنجیر کھولنے بڑھے تھے ۔ دلاور کے پیچھے رہنے کا مقصد بھی غالباً یہ تھا کہ ہم دونوں کو کور کیئے رکھے ۔

ایک ثانیئے بعد ریوالور فضا میں اچھلا اور دور جا گرا ۔ اب ان دونوں میں گھونسوں کا تبادلہ شروع ہوگیا تھا ۔ میں سرک کر شمشاد کے قریب جا پہنچا ۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی ۔ وحیدن اور استاد نذر دم بخود تھے صوفی اور شاہ کا مقابلہ جسمانی اعتبار سے مساویانہ نہیں تھا ۔ صوفی تو آخر بے بدن کے تھے ۔ معمولی سی جسامت ۔ مگر شاہ ایک چھوٹے موٹے ہاتھی سے کم نہیں تھا ۔ وہ جب صوفی کے ایک گھونسے کی جھونک میں دیوار سے جا لگا تو ہم سبھی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ۔ پھر صوفی کا ہاتھ کسی مشینی گرز کی طرح برستا ہی چلا گیا ۔

"تم جیسے کمینوں کو میں ٹھیک کرنا جانتا ہوں دلاور شاہ ۔" صوفی غمگین کی آواز لہک رہی تھی ۔ "تم نے ایک معصوم لڑکی کی آبروریزی کی ہے ۔ تمھیں کم سے کم ایک پاؤ خون منھ سے تھوکنا ہوگا ۔۔۔"

"رذیل ۔ کمینے ۔" دلاور شاہ نے گالیوں کی باڑھ ماری اور ساتھ ہی ٹانگ چلادی ۔ صوفی غمگین پیٹ پکڑے پیچھے ہٹے ۔ کراہ اب بھی ان منھ سے نہیں نکلی تھی ۔ وار شاید اوچھا پڑا تھا ۔

"خبردار ۔۔۔ ہاتھ اوپر اٹھالو ۔۔۔" یہ للکار دفعتاً شمشاد کے ہونٹوں پر طلوع ہوئی ۔ اس نے ہرنی کی طرح جست کر کے شاہ والا ریوالور اٹھالیا تھا اور اب اس کا رخ شاہ کے عین سینے کی طرف تھا ۔

"نہیں شمو ۔۔۔ تمھیں زحمت نہیں کرنی پڑیگی ۔۔۔" صوفی غمگین چیخے ۔۔۔ "اس درندے کے ناخن تنہا میں ہی نوچونگا ۔۔۔ اس نے تمھیں دکھ دیا ہے ۔ اب اسے میں تمھارے تلوؤں کی خاک چاٹنے پر مجبور کردوں گا ۔"

صوفی غمگین کا لہجہ ایکٹروں جیسا تھا ۔ وہ بڑے شاندار موڈ میں تھے ۔ زبان کے ساتھ ان کے ہاتھ بھی چلتے رہے اور چند ثانیوں کی خوفناک جنگ میں اگرچہ ان کے ہونٹ بھی خون ٹپکانے لگے تھے مگر شاہ کا تو حلیہ ہی بگڑ گیا تھا ۔

خوفناک تصادم تقریباً پانچ منٹ تک چلتا رہا ۔ کتنے لمبے تھے یہ پانچ منٹ ۔ نعوذ باللہ ۔ میں اپنے آپ کو دودھ پیتا بچہ محسوس کر رہا تھا ۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ ایک ریوالور میرے پاس بھی ہے اور اس کے بل پر میں بڑی آسانی سے تصادم کے نتیجے پر اثر انداز ہو سکتا ہوں ۔

ایک مرتبہ شاہ نے صوفی کو بری طرح دبوچ لیا ۔ پھر دیوار سے رگڑتے ہوئے کھولتی ہوئی آواز میں بولا ۔۔۔ "حرامزادے

تم ان لوگوں کے سامنے اب پارسا بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ اسکیم تم نے بنائی۔ سودا مجھ سے تم نے کیا۔ شادی تم رچانا چاہتے ہو ——"

"ہاں ہاں بکے جاؤ" صوفی صاحب ٹانگ کا وار کرتے ہوئے دہاڑے —— یہ وار کارگر ثابت ہوا۔ شاہ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ پھر جو صوفی کے دونوں ہاتھ چلے ہیں تو شاہ کو سنبھلنے کا موقعہ نہ مل سکا۔

پانچ منٹ بعد شاہ زمین پر بے سدھ پڑا تھا اور صوفی غمگین اسکے سینے پر سوار رگڑے دے رہے تھے۔ پھر لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے اور کسی بدمست شرابی کی طرح چل کر صوفے پر اوندھ گئے۔ لباس تار تار تھا۔ ماتھے، گردن اور شانوں پر خون چھلکاتی ہوئی خراشیں تھیں۔ سر سے خون کی لکیر چل کر کنپٹی کو گل رنگ بنا رہی تھی۔

یہ سب کیا ہے بیٹے —— یہ کیا ہے" وحیدن بائی ہذیانی انداز میں بولی —— اس نے دفعتاً مجھے دبوچ لیا تھا۔ اسکی آنکھوں سے دیوانگی جھلک رہی تھی۔ میں نے خاصی طاقت صرف کر کے خود کو اسکے بازوؤں سے چھڑایا پھر اسکے کاندھوں پر زور دیکر اسے صوفے پر گرا دیا۔

"ذرا صبر سے کام لو وحیدن بائی —— یہاں ہم سب کی موجودگی غیر قانونی ہے ——"

اس نے میری طرف ایسے انداز میں دیکھا جیسے ایک لفظ بھی نہ سمجھی ہو۔

"شمشاد تم بیٹھ جاؤ —— یہاں ابھی پولیس بھی آسکتی ہے۔ ہم سب نازک پوزیشن میں ہیں"

"پولیس آئے یا فوج" شمشاد بڑے ہی تلخ لہجے میں بولی "آپ کے سر تو بہر حال کامیابی کا سہرا بندھ ہی گیا"

"کیا بکتی ہو ——" میں حلق کے بل چیخا۔

"مجھے اب بالکل ہی دودھ پیتی بچی مت سمجھئے —— اگر آپ کا ہاتھ اس کارگذاری میں نہیں تھا تو آپ یہاں اس وقت کیسے؟"

"یہ لمبی کہانی ہے —— کم سے کم یہ تو دیکھو جس مردود نے تمہارے ساتھ درندگی برتی تھی اس سے کیا سلوک میرے ساتھی نے کیا ہے"

"یہ تمہارا ساتھی غمگین ہی تو ہے۔ یہ کونسا شریف ہے"

"ٹھیک کہتی ہو" دفعتاً صوفی غمگین کی لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ ان کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ ان کے سانس کا آہنگ اب تک پوری طرح درست نہیں ہوا تھا "میں شریف نہیں ہوں۔ مجھ سے تمہاری نفرت حق بجانب ہے —— میں نے بہت گناہ کیے ہیں" کنپٹی پر سر سے ٹپکی ہوئی خون کی ایک بوند کو انھوں نے آستین سے پوچھا۔ ایک دلدوز آہ ان کے ہونٹوں پر آئی —— "پھر بھی شمشاد بانو۔ مجھ سے بڑا جاں نثار شاید تمھیں نہ مل سکے گا —— میں نے دیکھ لو تمہارے سامنے ہی دلاور شاہ کو کس حال تک پہنچایا ہے —— میں تمہارے ہر دشمن کو زمین کی خاک چٹا سکتا ہوں —— میں یٰسین مرزا کا بھی علاج کر سکتا ہوں —— میں تمھیں پوجتا ہوں تمھیں زندگی کا حاصل سمجھتا ہوں ....."

ان کی آواز تدریج کے ساتھ ڈوبتی چلی گئی۔ پھر نیم وا آنکھیں بالکل ہی بند ہو گئیں اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

"میرے خدا —— کیا یہ ہو گئے" —— میں ان پر جھک گیا۔ سانس جاری تھی۔ بدن گرم تھا۔ موت نہیں بلکہ بیہوشی نے ان پر تسلط کیا تھا۔ خطا بھی کیا۔ بجار جیسے دلاور شاہ کو رگڑ ڈالنا کوئی مذاق تو نہ تھا۔

"استاد —— دوڑ کر پانی لاؤ" میں نے استاد نذرو سے کہا جو اب تک تصویر تحیر بنے بیٹھے تھے "نل شاید برآمدے کے سرے پر ہے۔ کوئی برتن بھی وہیں مل جائے گا"

وہ اٹھے۔ لیکن دروازے ہی تک پہنچے تھے کہ رحمت علی چوکیدار گھبرایا ہوا داخل ہوا۔ وہ اپنی جگہ ٹھٹک گئے۔

"حضور صاحبان —— میں تو جیل چلا جاؤں گا —— آپ لوگ آخر کب جائیں گے ——"

"کیوں —— تم پر کیا زد پڑ رہا ہے" میں نے جھڑکنے

کے انداز میں کہا۔

"سرکار ـــــ پولیس بھی آسکتی ہے محلے والے بھی آسکتے ہیں ـــــ"

"رحمت میاں ـــــ یہ باتیں پہلے سوچ لینے کی تھیں دیکھ رہے ہو ہم لوگ عیش کی بین نہیں بجا رہے ہیں ـــــ"

"وہ تو ٹھیک ہے صاحب۔ مگر مجھ غریب کا کیا ہوگا اگر مالک تک بات پہنچ گئی ـــــ"

"جاؤ دماغ نہ چاٹو ـــــ ہم خود یہاں دفن ہونے نہیں آئے ہیں ـــــ"

وہ لوٹ گیا۔ اسی وقت دلاور شاہ کراہتے ہوئے کھڑا ہوگیا۔ اس کا چہرہ متورم ہوگیا تھا۔ لباس دریدہ تھا۔ بڑی ہی کینہ توز نظروں سے اس نے بیہوش صوفی کی طرف دیکھا پھر لنگڑاتا ہوا میری طرف آیا۔

"اگر تم میں ذرہ بھر بھی انسانیت ہے یہاں ملا تو اس بے ایمان کی پیٹی سے پانچ ہزار کے نوٹ نکال کر میرے حوالے کردو ـــــ تمھیں یقیناً معلوم ہوگا کہ جو کچھ کیا گیا ہے اسی کے لئے کیا گیا ہے اور میں اپنی ڈیوٹی انجام دے چکا ہوں۔"

"بہت اچھی طرح انجام دی ہے تم نے اپنی ڈیوٹی ـــــ غالباً یہ بھی ڈیوٹی ہی میں شامل تھا کہ اگر موقعہ میسر آجائے تو شیطنت کی آخری حدیں بھی ضرور پھلانگ جاؤ ـــــ"

"یہ ایک غیر متعلق بات ہے جس سے تمھیں بحث نہیں ہونی چاہیئے۔"

"بحث کے بچے ـــــ تم منھ کالا کرجاؤ ورنہ ـــــ بس جاؤ تمھاری حالت پر ترس آرہا ہے ـــــ"

"اچھی بات ہے۔ میں چلا جاتا ہوں ـــــ مگر یہ مت سمجھنا معاف کردوں گا ـــــ غمگین حرامزادہ کیا چیز ہے۔ اسے اور تمھیں دونوں کو دیکھ لوں گا۔"

اس نے شمشاد کے ہاتھ سے اپنا ریوالور جھپٹا اور لنگڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

صوفی غمگین تقریباً آدھ گھنٹے بیہوش رہے۔ وہ بخار میں تپ رہے تھے۔ اس آدھ گھنٹے میں ساری کہانی میں نے شمشاد کے آگے دہرادی۔ سن وحیدن بھی رہی تھی مگر اس کے حواس معمول پر نہیں تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی مجھے دیکھتی کبھی صوفی کو۔ استاد نذر و قطعاً مٹی کے مادھو بنے ہوئے تھے۔

آخر کار صوفی کو ہوش آگیا۔ مجھے اب وہ ایک ایسی پراسرار شخصیت محسوس ہو رہے تھے جس سے نفرت نہ کی جاسکتی ہو۔ طلسماتی دھند میں لپٹی ہوئی کہربائی شخصیت ـــــ

"کیا دلاور مرگیا؟" ـــــ ہوش آتے ہی انھوں نے پوچھا۔

"نہیں ـــــ وہ چلا گیا ـــــ اب تم بھی چلنے کی سوچو ـــــ یہ ہمارا اپنا دولت خانہ نہیں ہے ـــــ"

"ٹھیک کہتے ہو ـــــ مجھے بے حد شرمندگی ہے کہ میری وجہ سے آپ سب لوگوں کو بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ـــــ شمشاد بانو۔ تم یہ مت سمجھنا کہ دلاور شاہ میرے ہاتھ سے بچ نکلا ـــــ میں اسے مار ڈالوں گا ـــــ"

"ارے اب کنگ کانگ بننے کی کوشش مت کرو" میں نے ٹوکا "تم بہت بہادر ہو یہ تو ثابت ہی ہوچکا ہے۔"

"ہاں میں بہادر ضرور ہوں ـــــ مگر افسوس تم جیسا عقلمند نہیں ہوں یہی خامی ہے جسکی وجہ سے وحیدن بائی کو آج تک میں اپنے حق میں ہموار نہ کرسکا۔"

"خیر خیر ـــــ یہ باتیں پھر ہونگی۔ فی الحال تو بتاؤ یہاں سے کہاں چلنا ہے ـــــ"

"کلیر ہی چلیں گے ـــــ مجھے ذرا غسل کرلینے دو ـــــ"

شمشاد اس عرصہ میں ایک لفظ نہیں بولی۔ وہ کبھی کنکھیوں سے صوفی کی طرف دیکھتی کبھی فرش پر نگاہ جاتی۔

"غسل کے بعد پہنیں گے کیا؟" میں نے ان کے خراب خستہ کپڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"چوکیدار کے کپڑے ـــــ وہ ایک جوڑا تو دے ہی دے گا ـــــ"

جب وہ غسل کی خاطر کمرے سے باہر گئے تو میں وحیدن بائی کی طرف متوجہ ہوا۔

"تمہیں آخر کیا ہو گیا ہے ـــ کیا جاگتے جاگتے سو رہی ہو ـــ"

اس نے کھوئی کھوئی نظروں سے میری طرف دیکھا ـــ پھر رونے لگی۔ رونا بھی معمولی نہیں۔ چند ہی ثانیوں میں اس کی ہچکی بندھ گئی۔

"امّی خدا کے لئے ـــ" شمشاد اس سے لپٹ گئی اور اب خود وہ بھی رونے لگی تھی۔

"اچھا ہے کچھ دیر رو لو ـــ آؤ استاد نذرو ـــ ہم تم باہر لان میں کبڈی کھیلیں گے ـــ"

استاد نے دانت نکال دیئے ـــ "ہم تو ملاّ صاحب حیران و پریشان ہیں کہ یہ کیا سے کیا ہو رہا ہے ـــ"

"تم بھی تھوڑا سا رو لو ـــ دل ہلکا ہو جائے گا ـــ"

یہ کہکر میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ دھوپ چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ نل پر میں نے منھ ہاتھ دھویا۔ پھر چوکیدار کے کوارٹر میں جا گھسا۔

"رحمت علی ـــ تم بڑے اجڈ ہو ـــ غضب خدا کا مہمانوں کو ایک پیالی چائے تک نصیب نہیں ـــ"

"حضور ـــ میں نے خود بھی کچھ نہیں کھایا پیا ـــ آپ خود سوچئے مالک کو اگر پتہ چل گیا کہ ان کے پیچھے یہاں ـــ"

"بس بس ـــ باتیں نہ بناؤ ـــ لو یہ پیسے لو۔ کسی ہوٹل سے ناشتہ لے آؤ ـــ"

دس کا نوٹ میں نے اسکی طرف بڑھایا۔

"ہوٹل دور ہے صاحب ـــ خیر میں لاتا ہوں۔ آپ اندر بیٹھئے ـــ"

پھر نصف گھنٹے بعد ہم ہال کمرے میں ناشتہ کے مزے لوٹ رہے تھے۔ چائے اس وقت جتنی اچھی لگی کم ہی لگی ہوگی کمال یہ ہے کہ چائے حلق سے اترنے کے بعد وجیدن باجی کی حالت میں بھی خوشگوار تبدیلی محسوس ہوئی۔ وہ جیسے سو کر جاگی ہو۔

"اب تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا" میں نے پوچھا

"ٹھیک ہی ہے ـــ مگر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں تو یٰسین مرزا کے حکم پر آئی تھی مگر وہ کہیں نظر نہیں آیا ـــ"

"یٰسین مرزا کو جہنم میں ڈالو ـــ یہ باتیں پھر ہوں گی اب ہم کلیر واپس ہو رہے ہیں ـــ"

"مگر ـــ تم صوفی غمگین یہاں کہاں؟" اس نے صوفی کو گھورا۔

"بس مقدر ـــ میں بھی صابری دربار میں نذرانہ و عقیدت پیش کرنے حاضر ہو گیا تھا ـــ"

"میں تمہاری ممنون ہوں کہ دلاور شاہ کو تم نے خوب مزا چکھایا۔ افسوس میں خالی لفظوں کے سوا اس وقت کوئی قیمت پیش نہیں کر سکتی ـــ"

"مجھے قیمت چاہیئے بھی نہیں۔" صوفی بولے ـــ "یہ قیمت کیا کم ہے کہ تم مجھ سے ایسے خوشگوار لہجے میں بول رہی ہو ورنہ تمہارے در سے تو میں ہمیشہ دھتکارا ہی گیا ہوں ـــ"

"آئندہ بھی کوئی امید نہیں کہ تمہاری آؤ بھگت کر سکونگی وہ یٰسین مرزا تمہاری پرچھائیں تک میرے بالاخانے پر دیکھنا پسند نہیں کرتا ـــ"

"ختم کرو ـــ یہ باتیں پھر ہوں گی ـــ اب یہاں پڑاؤ ڈالے رکھنا ٹھیک نہیں ـــ" میں کھڑا ہو گیا (باقی

تذکرہ شاہ ولی اللہ

حضرت شاہ ولی اللہ الہ ہدی کی تاریخ ساز شخصیت دینی و ملّی اور علمی و فقہی لحاظ سے محض ایک شخصیت ہی نہیں ایک عہد ہے ایک تاریخ ہے جسکی فضاؤں میں تہذیب و سیاست علم و منطق اور شریعت و تصوف کے مختلف رنگوں کی کہکشاں بکھری ہوئی ہے شاہ صاحب جیسی ہمہ رنگ اور جامع شخصیت کا مفصل تذکرہ جسے مولانا مناظر احسن گیلانی جیسے کثیر المطالعہ کے قلم سے ہو تو نور علیٰ نور کا مصداق بننے میں کون مانع ہو سکتا ہے ـــ تازہ ایڈیشن عمدہ تصحیح اور معیاری کتابت و طباعت کے ساتھ

قیمت ـــ ساڑھے چار روپے

مکتبہ تجلی ـ دیوبند (یوپی)

حالاتِ حاضرہ

مولانا مودودی سے دریافت کیا گیا:۔

"آج اخبارات میں مصر، شام، عراق اور الجزائر کے وفاق کی خبریں آئی ہیں۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

مولانا نے فرمایا:۔

"جی ہاں اتنی زبردست ہزیمت اٹھانے کے باوجود ان ملکوں کے سروں سے سوشلزم کا بھوت نہیں اُتر سکا وہ اب پھر سوشلزم کی بنیاد پر ہی اتحاد کی تدبیریں سوچ رہے ہیں — اردن براہ راست اسرائیلی جارحیت کا شکار ہوا ہے لیکن چونکہ وہ ایک سوشلسٹ ملک نہیں ہے اس لئے اسے اس وفاق میں شامل نہیں کیا گیا اور الجزائر اسرائیل سے دُور ہوتے ہوئے بھی محض سوشلزم کی بنیاد پر اس کنفڈریشن میں شامل ہے۔"

ایک صاحب نے ضمناً کہا:۔

"ان سوشلسٹ ملکوں کا موقف یہ ہے کہ وہ ایسے عرب ممالک کو اپنے ساتھ شامل نہیں کرنا چاہتے جنکے ذریعے سے ان کے فوجی راز امریکہ اور برطانیہ تک پہنچ سکیں۔ وہ غیر اشتراکی ملکوں کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔"

مولانا نے جواب دیا:۔

"ان غیر اشتراکی ملکوں کی دوستی اور وفاشعاری دیکھئے کہ ۱۹۵۶ء کی جنگ میں مصر کے ہوائی بیڑے نے سعودی عرب میں آکر پناہ لی تھی اور سعودی عرب نے اس کی پوری طرح حفاظت کی۔ آج یہی سعودی حکومت ان کے نزدیک غیر معتبر ٹھیرائی جا رہی ہے۔"

ایک دوست کہنے لگے:۔

"عراقی حکومت کے بیانات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابھی اس کے طرزِ عمل میں اتنی شدت نہیں ہے۔"

مولانا گویا ہوئے:۔

"جی ہاں عراق نہ ابھی اُدھر کا ہے نہ اِدھر کا وہ ایک گو مگو کی کیفیت میں مبتلا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اب عرب ممالک کو ہتھیار امریکہ اور برطانیہ سے تو ملنے سے رہے۔ صرف روس ہی انھیں فراہم کر سکتا ہے۔ اور وہاں پابندی یہ ہے کہ اپنا ضمیر اور اپنی روح بھی اس کے ہاتھوں بیچنی پڑتی ہے۔ پھر سوشلزم کے علاوہ کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہتی۔"

چین کی عرب دوستی کا ذکر چلا تو مولانا فرمانے لگے "چین نے مصر کو دو لاکھ سپاہی مہیا کرنے کا اعلان کیا ہے۔ لیکن ذرا سوچئے وہ یہ فوج کیسے سپلائی کر سکتا ہے۔ کیا اس کے پاس نیوی ہے یا اتنی زبردست فضائی سروس ہے کہ وہ دو

لاکھ آدمیوں کو مصر بھیج سکے۔ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ وہ چاروں طرف سے امریکہ کے شکنجے میں آچکا ہے۔ صرف پاکستان ہی ایک راستہ ہے جس سے وہ باہر نکل سکتا ہے۔ روس نے بھی اپنی فوج کا بیشتر حصہ اسکی سرحدوں پر لاڈالا ہے۔"

ایک دوست نے مولانا کو مخاطب کیا:۔

"مولانا یہ تو ماننا پڑے گا کہ چین مستقبل قریب میں ایک زبردست قوت بننے والا ہے۔"

مولانا نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا:۔

"آپ دوست کہتے ہیں لیکن کیا چین کے مخالفین اس عرصے میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے اور اس بات کا انتظار کریں گے کہ یہ بڑی طاقت بن جائے تو مقابلہ کریں؟"

ایک اور صاحب نے اسی موضوع پر سوال کیا:۔

"مولانا چین سے امریکہ اور دوسری طاقتیں اس لئے گھبراتی ہیں کہ وہ ستر کروڑ کی آبادی کا ملک ہے۔ آخر اسے کہاں تک ختم کیا جاسکتا ہے۔"

مولانا نے فرمایا:۔

"جی ہاں وہ ایک بڑی آبادی کا ملک ہے اسلئے دوسری طاقتیں اس سے الجھتے ہوئے ذرا پس وپیش کرتی ہیں۔ لیکن یہ کوئی اہم بات نہیں اب لڑائی کا فن جس نقطۂ عروج پر پہنچ چکا ہے اس کے تحت قوموں کی عددی اکثریت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اگر کسی ملک پر حملہ کرکے اسکے جنگی ساز وسامان بنانے والے کارخانوں، ہوائی اڈوں اور دیگر دفاعی انتظامات کو تباہ کردیا جائے۔ تو اس کے لئے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا۔ آج کل WAR POTE-NTIALS ہی کسی ملک کی اصل طاقت ہیں۔"

بات اب فن حرب پر جا پہنچی تھی اور مولانا بتلا رہے تھے:۔

"چھوٹی چھوٹی جنگیں دراصل بڑی طاقتوں کی تجربہ گاہیں ہیں۔ جہاں وہ اپنے نئے نئے ہتھیاروں کو آزما رہی ہیں۔ ویت نام کی جنگ کے دوران میں امریکہ نے بے شمار نئے اسلحے ایجاد کئے ہیں۔ جنکا آج سے کچھ عرصہ پہلے گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا اور اب مشرق وسطیٰ کی جنگ میں نئے تجربات ہوئے ہیں جو اب اور نئے ہتھیاروں کی ایجاد کا سبب بنیں گے۔"

ایک صاحب نے پوچھا:۔

"مولانا مشرق وسطیٰ کی اس جنگ کا پاکستان پر کیا اثر پڑا ہے؟"

مولانا فرمانے لگے:۔

"بہت برا اثر پڑا ہے اور صرف پاکستان ہی کیا ساری دنیا کے مسلمانوں کی ہوا اکھڑ گئی ہے ـــــ کفار یہ نہیں دیکھتے کہ آپ پاکستانی ہیں یا ہندوستانی یا عرب، وہ تو بحیثیت مسلمان آپ سے معاملہ کرتے ہیں۔ آپ اپنی جگہ مسلمان ہونے کا خواہ کتنا ہی انکار کیوں نہ کریں جب تک آپ کے اسلام کا لیبل لگا ہوا ہے آپ انکی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے رہیں گے۔" (ایشیا لاہور)

بریلی کا نیا دین

بریلوی اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں لیکن انھوں نے دین میں نئی نئی باتیں گھڑ لی ہیں۔ اس کتاب کے آئینے میں آپ ان کی جھلکیاں دیکھئے۔

قیمت ـــــ ڈیڑھ روپیہ

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یوپی)

مشرقِ وسطیٰ کی جنگ

چند اہم انکشافات

یہ مضمون مغربی جرمنی کے اخبار "DER SPIEGAL" اشاعت ۱۲ر جون ۱۹۶۷ء سے ماخوذ ہے۔ اخبار مذکور نے اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسرائیل کی فتح پر خوب مسرت کے شادیانے بجائے ہیں۔ اسکے مندرجات سے اسرائیلی فوج کی زبردست تنظیمی صلاحیت اور انتھک تیاریوں کا پتہ چلتا ہے۔ دشمن کو زبانی لعنت ملامت کرنیکے بجائے ضروری ہے کہ اسکی قوت بازو کا اندازہ لگایا جائے اور اسکے مدِ مقابل آنے کیلئے مطلوبہ صلاحیت پیدا کی جائے۔ اس مضمون کی اشاعت سے یہی مقصود ہے۔
(ادارہ ایشیا۔ لاہور)

ایک طرف قاہرہ ریڈیو سے یہ صدائیں بلند ہو رہی تھیں "ہم اپنی سرزمین کے چپے چپے اور اپنے صحرا کے ہر ذرۂ ریت کی حفاظت کریں گے۔" اور دوسری طرف مصر کے "جانباز" ننگے پاؤں صحرائے سینا سے بھاگ رہے تھے۔ بالکل وہی منظر تھا جو آج سے گیارہ سال پہلے اس صحرا میں پیش آیا تھا۔ میدانِ جنگ میں ہر طرف سامانِ حرب بکھرا پڑا تھا۔ ٹینک، مشین گنیں، بارود پیٹیاں اور ہزاروں کی تعداد میں ملٹری بوٹوں کے جوڑے، جو ابھی استعمال میں بھی نہیں آئے تھے۔

اردن کا نوجوان شاہ حسین اپنے مختصر لیکن پھرتیلے قد کے ساتھ اپنی فوج کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ "جنگ جاری رکھو، دشمن پر کاری ضربیں لگاؤ، خواہ تمہیں نہتے ہاتھوں سے لڑنا پڑے۔"

الجزائر کی فوجیں "کامل فتح یا موت" کا نعرہ لگاتے ہوئے صحرائے سینا کی طرف روانہ ہو رہی تھیں ــــ انھیں کیا معلوم تھا کہ فتح اور شکست کا فیصلہ تو ہو چکا ہے ــــ عرب اپنی "مقدس جنگ" میں یہودیوں کے ہاتھوں بری طرح پٹ چکے ہیں اور اسرائیلی فوج کا چیف ربی یروشلم کے مقدس شہر میں فاتحانہ نخوت کے ساتھ داخل ہو رہا ہے۔

"آج داؤد علیہ السلام کا مقدس شہر پوری طرح یہودیوں کے قبضے میں آچکا ہے۔"

چیف ربی کے اس اعلان سے پوری فوج میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اور ان کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھ جاتے ہیں۔

اسرائیل کا تانا بانا اسرائیل عرب ممالک سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے ایک مدت سے پر تول رہا تھا۔ جب روس کی انگیخت پر ناصر نے خلیج عقبہ کی ناکہ بندی کر دی، تو گویا وہ گھڑی بالکل قریب آگئی۔ ۲۵ مئی کو جب اسرائیل کا وزیر خارجہ ابا ایبان دورہ پر امریکہ پہنچا، اور اس نے امریکی حکام سے اس مسئلے پر بات چیت کی۔ امریکہ کے جاسوسی ادارے پنٹاگون نے یہ اندازہ پیش کیا کہ اگر اسرائیل اور عربوں کا مقابلہ ہوا اور اس جنگ میں کوئی دوسرا نہ کودا تو اسرائیل اپنے دشمن کو پانچ دن کے اندر اندر ختم کر دیگا۔ اس طرح امریکہ اور اسرائیل کے درمیان ایک خفیہ سمجھوتہ ہو گیا۔ اور اول الذکر نے غیر جانبداری کا لبادہ اوڑھ کر یہودیوں کو پوری پوری حمایت کا یقین دلایا۔

۳ر جون کو لندن میں اسرائیل کے ایک ملٹری اتاشی نے اپنے جرمن ساتھی کو اشارتاً یہ بتایا کہ اگلے ہفتہ مشرق قریب میں نہایت اہم ڈپلومیٹک سرگرمیاں عمل میں آنے والی ہیں۔ لندن سے فوراً ہی ایک خط بون روانہ کیا گیا لیکن جرمنی کے وزیر دفاع مسٹر شروڈر SCHROEDER اس کا مفہوم نہ پا سکے۔

پھر اچانک جنگ کا آغاز ہوا، تو پوری یہودی دنیا میں جیسے ہلچل مچ گئی۔ شمالی امریکہ سے جنوبی افریقہ تک یہودی آفلیتیں کامل

فتح کے لئے جان و مال کی قربانی دینے میدان عمل میں نکل آئیں عورتوں نے اپنے زیورات فنڈ کی نذر کر دیئے۔ بچوں نے جنگ کی خاطر اپنے کھلونے بیچ ڈالے۔ انگلستان سے چھ ہزار شہری (جن میں دو ہزار غیر یہودی بھی تھے) سر سے کفن باندھ کر اسرائیل جانے کے لئے تیار ہو گئے اور پیرس میں ہر روز یہودیوں کی حمایت میں بے لباس نکلنے لگے۔ اس طرح یہ جنگ یہودیوں کی عین توقعات کے مطابق ایک فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ گئی۔

روس عربوں کی عددی اکثریت پر بھروسہ کئے بیٹھا تھا' وہ ریت کے گھروندے کی طرح مسمار ہو گیا۔ اور روسی حکام جنگ کے دوسرے دن سر تھامے بیٹھے رہے۔ اب اس مشکل کا ایک ہی حل تھا کہ جنگ فوراً بند کرائی جائے' اور اسرائیلی افواج کو پیچھے پلٹنے پر مجبور کیا جائے۔

اسرائیل کی کامیابی اسرائیل ڈھائی دن کے اندر اپنے تمام جنگی مقاصد حاصل کر چکا تھا۔ ۵ جون کی صبح کو اسکی افواج نے غزہ کی پٹی پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور جنوب کی جانب وہ نہر سوئز کی طرف پیشقدمی کر رہی تھیں۔ اسرائیلی ٹینک اردنی سرحدوں کو مسمار کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور ۲۵ عرب ہوائی اڈے چار سو بمباروں سمیت تباہ کئے جا چکے تھے۔

صحرائے سینا میں اسرائیلی ٹینکوں کے تین کالم بحیرہ روم کے متوازی نہر سوئز کے رخ میں بیس کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے قدم بڑھا رہے تھے۔ نہر کے مشرقی کنارے سے پندرہ کلومیٹر دور انھوں نے پیش قدمی روکدی۔ یہ معرکہ انھوں نے ۱۹۵۶ء کی جنگ کے مقابلہ میں اڑتالیس گھنٹے پہلے سر کر لیا تھا۔

غزہ کے علاقے میں تو اسرائیلی فوجیں عربوں کو دور تک رگیدتی چلی گئیں اور مصری فوج کے دو ڈویژن انتہائی کسمپرسی کے عالم میں ان کے گھیرے میں آ گئے۔ انھوں نے غزہ اور رافہ کے شہر حملے کے دوسرے دن اپنے قبضے میں کر لیئے تھے اور اس طرح یہ معرکہ بھی ۱۹۵۶ء کی جنگ سے بہتر گھنٹے پہلے سر ہو گیا۔

خلیج عقبہ کو کنٹرول کرنے والے مقام شرم الشیخ پر جب اسرائیلیوں کی چھاتہ بردار فوج اتری تو عرب سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ اور اس طرح ساحل سے تیز رفتار جنگی آبدوزوں اور صحرا سے بڑھنے والے ٹینکوں نے اس علاقے کو پوری طرح اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ یہاں بھی اسرائیلیوں کو ۱۹۵۶ء کے مقابلے میں ایک سو بیس گھنٹے پہلے کامیابی ہو گئی۔

اس پوری جنگ میں اسرائیلیوں نے عربوں کے دو سو سے زیادہ ٹینک تباہ کئے اور اس قدر سامان جنگ پر قبضہ کیا کہ ۱۹۵۶ء کی ایک ہفتہ کی جنگ میں بھی وہ اتنا سامان نہ حاصل کر پائے تھے اسی طرح جنگی قیدیوں کا تناسب بھی گذشتہ جنگ کی نسبت بہت زیادہ تھا۔

بیت المقدس کی فتح کے وقت اسرائیلیوں کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شہر کے باشندوں نے قدم قدم پر دشمنوں کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ لیکن یہودیوں نے بڑی دلاوری سے اپنا راستہ صاف کیا۔ اسرائیلی پرو شلم کا یہ دوسرا خطرناک علاقے میں داخل ہوا تو اس کا ڈرائیور ہچکچایا لیکن اس نے کہا موت کو آنا ہے تو ضرور آ کر رہے گی اس کی یہ جرأت دیکھ کر یہودیوں کے حوصلے اور بھی بلند ہو گئے۔ اس مقدس شہر کی فتح کے بعد وزیر دفاع موشے دایان نے دیوار گریہ کے قریب کھڑے ہو کر قسم کھائی "ہم آئندہ کبھی اس سے جدا نہ ہوں گے"۔

اس کامیابی کا سبب اس کامیابی کی پشت پر دراصل اسرائیل کی وہ فوجی تربیت ہے جس سے ذمہ داری کے احساس سے سرشار اہل فکر افسر پیدا کئے جاتے ہیں۔ پھر یہی افسر سپاہیوں کو تیس ماہ کی فوجی ٹریننگ دیتے ہیں۔

اس ٹریننگ سے قبل تمام لڑکے اور لڑکیاں چودہ سال کی عمر کو پہنچ جانے کے بعد ہفتے میں دو گھنٹے کی اور مہینے میں ایک دن کی چھوٹے ہتھیاروں سے تربیت حاصل کرتے ہیں اور ہر تین ماہ بعد انھیں تین چار دن کی جنگی مشق بھی کرائی جاتی ہے — ۳۵ سال کی عمر تک ہر اسرائیلی فوجی تربیت حاصل کرنے کے بعد "ریزرو سپاہیوں" میں شمار ہونے لگتا ہے۔ اور اس بات کا پابند ہو جاتا ہے کہ ۳۵ سال کی عمر سے ۴۹ سال کی عمر تک ہر دو سال کے بعد دو ہفتے فوجی کیمپوں میں گذارے۔ ملٹری سروس کے اس قابل رشک نظام کے سبب اسرائیل کو ہر وقت تین لاکھ سے زائد مکمل تربیت یافتہ سپاہی مہیا ہو سکتے ہیں۔ عورتیں اور قوم کے بوڑھے افراد فوج کی نقل و حرکت میں مدد دینے' اسلحہ اور سامان رسد فراہم کرنے اور طبی خدمات بجا لانے میں مستعد رہتے ہیں۔ اس

نظام کا نتیجہ یہ ہے کہ سپاہیوں اور انکے مددگاروں میں نہایت خوشگوار اور دوستانہ تعلقات راہ پاتے ہیں۔ دنیا کی کوئی اور فوج ایسا نظام پیش نہیں کر سکتی۔ ویتنام میں لڑنے والے امریکی فوجی اپنے ساتھ تین تین معاون رکھتے ہیں۔ لیکن اسرائیلی فوج میں فوجیوں کی تعداد معاونین سے کہیں زیادہ ہے۔

اسرائیلی حکومت نہایت مختصر سے وقت میں اپنی ۲۵ لاکھ کی آبادی میں سے دس لاکھ باشندوں کو فوجی مہم پر بلا سکتی ہے۔ ۵ جون کو صبح دس بجے تل ابیب ریڈیو سے جب ایئر فورس کے کمانڈر کا اعلان نشر ہوا جس میں تربیت یافتہ افراد کو جمع ہونے کا حکم دیا گیا تھا تو اسمیں ۲۷ یونٹوں کے ۲۷ مختلف کوڈ ورڈ (CODE WORD) استعمال ہوئے۔ اس اعلان کے سنتے ہی ملک بھر کے تمام متعلقہ افراد نے کام کاج چھوڑ کر اپنے یونٹوں کی راہ لی۔

مذکورہ اخبار کے ایک نمائندے کے گھر میں کام کرنے والے مالی نے جب ٹرانسسٹر پر اپنا کوڈ ورڈ سنا، تو دراتی پھینک کر بس اسٹیشن کی طرف دوڑا، اس نے دوڑتے ہوئے یہ ہانک لگائی کہ "میں جنگ سے واپس آکر اپنی تنخواہ وصول کروں گا"

اسرائیلی سپاہیوں کو ۹۵۴ کلومیٹر لمبی سرحد اور ۲۵۴ کلومیٹر لمبی سمندر گاہ کی حفاظت کرنی تھی۔ ایک جگہ پر تو اس ملک کی چوڑائی ۱۴ کلومیٹر سے زیادہ نہیں۔ اور شمالی علاقے تو اردن کی بمباری سے بہت جلد تباہ ہو سکتے ہیں۔ اس ناموافق جغرافیائی حالت کے پیش نظر اسکے بچاؤ کا واحد راستہ یہ ہے کہ دفاعی جنگ لڑنے کے بجائے آگے بڑھ کر جارحیت کا ارتکاب کرے۔ قبل اسکے کہ عرب افواج اسرائیل پر حملہ آور ہوتیں اور اسے مختلف ٹکڑوں میں کاٹ کر سمندر میں ڈوبنے پر مجبور کر دیتیں۔ موشے دایان نے ۱۹۵۶ء کی طرح ابکی دفعہ بھی حملے میں پہل کرنا مناسب سمجھا۔

اس کامیابی کا سہرا اور اصل ٹینکوں کی بھرپور قوت میں تھا۔ دوسو امریکن ٹائپ ایم ۴۸ ٹینک فیڈرل جرمن ری پبلک کی وساطت سے دو سال قبل اسے ملے تھے۔ یہ سودا دو واسطوں سے عمل میں آیا تھا۔ پہلے اٹلی نے امریکہ سے معاملہ کیا۔ بعد ازاں جرمنی نے اٹلی سے لے کر اسرائیل کو فراہم کئے۔ نوے ملی میٹر کی گن کے ساتھ اس ٹینک کی فائرنگ بہت ہولناک ہوتی ہے اور اس کا گولہ تین ہزار میٹر تک مار کر سکتا ہے۔ ان ٹینکوں کے علاوہ اسرائیل نے برطانوی ساخت کے سنچورین ٹینک بھی استعمال کیے۔ اس طرح اس نے عربوں کی مزاحمت کو کچل کر رکھدیا۔ اور ان کے دوسو روسی ساخت کے ٹینک تباہ کر ڈالے۔

صحرائے سینا اور اردن کی سرحد پر جب ٹینکوں کی یہ ہولناک جنگ لڑی جا رہی تھی، تو اسی وقت فرانسیسی ساخت کے فرانسیسی میسٹیر (FRENCH MYSTERE) لڑاکے طیارے عربوں کے ہوائی اڈوں کو نشانہ بنا رہے تھے۔

مصر میں اسرائیل کے بمباروں نے سولہ ہوائی اڈے اور سیزائل کے ٹھکانوں کو تباہ کیا۔ دایان کے پائلٹ دن میں آٹھ آٹھ مرتبہ حملہ آور ہوتے اور انہوں نے مصر کے فضائی دفاع کے نظام کو ناکام بنا کر رکھدیا، وہ برّی راستے سے آنے کے بجائے بحیرہ روم کی طرف سے وارد ہوتے تھے۔ ان حملہ آور طیاروں نے نیچی پرواز کر کے راڈار سکرینوں کے گرد چکر لگایا۔ اور ہوائی اڈوں پر موجود روسی ساخت کے تمام طیاروں کو ہلکے بموں سے تباہ کر دیا، جو طیارے فضا میں پرواز کر رہے تھے انھیں وہیں نشانہ بنا کر نیچے گرا لیا گیا۔

جنگ کے تیسرے دن اسرائیلی ایئر فورس کے کمانڈر جنرل ہود (HOD) نے اعلان کیا۔

"فضائی جنگ اب ختم ہو چکی ہے۔ اب تک ہم دشمن کے ۴۱۹ طیارے تباہ کر چکے ہیں، ۳۱۹ طیارے تو جنگ کے پہلے دن ہی تباہ کر دیئے گئے تھے، ۱۰۰ طیارے دوسرے دن اور بقیہ تیسرے دن ختم کر دیئے گئے۔"

اسرائیلی کمانڈر نے ۴۵ روسی ساخت کے مگ ۲۱ بمبار طیاروں کی تباہی کو اپنی سب سے بڑی کامیابی قرار دیا۔ روس کی طرف سے مشرق بعید کو مگ طیارے تقریباً اتنی ہی تعداد میں سپلائی کئے گئے تھے۔ عربوں کو ان طیاروں پر بڑا ہی ناز تھا لیکن ان جدید ہتھیاروں کے لئے جس قسم کے آزمودہ کار پائلٹ اور فنی ماہرین درکار ہیں۔ وہ عربوں میں برائے نام بھی نہ تھے۔ دوسری طرف یہودیوں کے تربیت یافتہ ہوا باز اور فنی ماہر کسی مغربی فوج کے ہوابازوں اور فنی ماہروں سے کم نہ تھے۔ مزید برآں عربوں میں وہ ہم ایمپرٹ بھی مفقود تھی جو ان جدید ہتھیاروں کے استعمال

کے لئے ناگزیر ہے۔ انھوں نے حفاظتی اقدام کے تحت ٹینکوں کو صحرا میں (جہاں بارودی سرنگیں بھی بچھی تھیں) دفن کر دیا تھا پیدل سپاہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ اپنے ہی بچھائے ہوئے دام میں آکر مارے گئے۔ موشے دایان اپنی ڈائری میں لکھتا ہے

"۱۹۵۶ء کی جنگ میں عربوں کے پاس نہ مؤثر ہتھیار تھے اور نہ ہمارے ہوائی حملوں میں ثابت قدم رہنے کا ان میں ولولہ پایا جاتا تھا اب کی دفعہ اگرچہ ان کے پاس ضروری ہتھیار موجود تھے۔ لیکن لڑنے کی اسپرٹ پھر بھی مفقود تھی"

بیت المقدس پر قابض ہونے کے بعد موشے دایان نے ایک پریس کانفرنس میں اپنی فوج کے بارے میں صرف دو جملے کہے

"۱۹۵۶ء کی جنگ میں اسرائیلی فوج خوب تھی لیکن اب کی دفعہ تو خوب تر تھی۔ گذشتہ جنگ میں ہماری فضائی قوت نے ایک چھتری کا کام دیا تھا۔ لیکن اب کی دفعہ تو وہ اولوں کی بارش ثابت ہوئی۔"

مصری افواج کے بارے میں اس نے یہ رائے ظاہر کی۔

"۱۹۵۶ء کے مقابلے میں ناصر کے سپاہی بلاشبہ اب کی دفعہ بہتر لڑے، لیکن فوجی افسروں میں ایسا کوئی جذبہ نہ تھا۔"

جہاں تک مصری فوجیوں کا تعلق ہے، یہ دریائے نیل کے کنارے کے دیہاتوں سے بھرتی کئے جاتے ہیں، جن میں ۶۰ فیصد افراد اپنی بیمار صحت کے سبب ہتھیار اٹھانے کے قابل نہیں ہوتے اور ابتدائی تربیت کے دوران انھیں مارچ سکھانے کے لئے ان کے ایک ہاتھ میں پیاز اور دوسرے ہاتھ میں پتھر تھمایا جاتا ہے تب انھیں پتہ چلتا ہے کہ دایاں کونسا ہے اور بایاں کونسا۔ مزید افسوسناک صورت یہ ہے کہ انھیں نہایت کم تنخواہ اور کم سہولتوں پر ملازم رکھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس فوجی افسر بڑی بڑی تنخواہیں وصول کرتے ہیں اور نہایت آرام دہ اور خوبصورت بنگلوں میں رہتے ہیں۔ اس وقت گورنروں کی چوبیس اسامیوں پر فوج کے آدمی متعین ہیں۔ ایک لیفٹیننٹ ۳۴۰۰ MARK D کما رہا ہے۔ جبکہ سول سروس کے ایک افسر کو صرف دو سو مارک مل رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مصری فوج دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے، ایک افسروں کی فوج ہے دوسری سپاہیوں کی۔

جنگ شروع ہونے سے دو ہفتے پہلے اسرائیلیوں نے صحرائے سینا کے بارڈر پر ایک مصری جیپ کو اپنے قبضے میں کیا تو اس میں بیٹھے ہوئے تینوں فوجی افسر ایسے لباس میں تھے، جیسے وہ ابھی کسی قہوہ خانے سے اٹھ کر آرہے ہوں نہایت عمدہ کپڑے کی یونیفارم، پالش کئے ہوئے جوتے اور چمکدار پیٹی بکلے وہ بالکل شہزادے معلوم ہو رہے تھے۔ جیپ میں موجود دو سپاہیوں کی حالت اسکے برعکس تھی پھٹی ہوئی وردی، بڑھی ہوئی داڑھیاں اور پیر میں گینوس کے جوتے پہنے وہ اور ہی منظر پیش کر رہے تھے۔ مرنے اور پکڑے جانے والے مصریوں میں افسروں کی تعداد بہت کم تھی۔ جب دشمن ان کے سروں پر آن پہنچا تو وہ اپنی جیپوں کا رخ موڑ کر اندرونِ ملک چلے گئے۔

اردنی فوج کے ایک افسر کے سامان سے PLAY - BOY - میگزین سے کاٹی ہوئی عورتوں کی عریاں تصویریں انگلستان سے درآمد کی ہوئی سرد درد کی گولیاں پولینڈ کے ٹماٹر کے ڈبے۔ سرخ چین کا اسٹیشنری کا سامان تاش کے پتے اور رقص کا لباس پہنے ہوئے لڑکیوں کی فحش تصویریں برآمد ہوئیں۔ اسرائیل کے خلاف تیسری مقدس جنگ لڑنے والے سرداروں میں اپنے ان اسلاف کا کوئی پرتو بھی تو نہ تھا۔ جنھوں نے آج سے تیرہ سو سال پہلے جذبۂ جہاد، تقدیر پر ایمان اور راہِ خدا میں سب کچھ قربان کر دینے کی اسپرٹ کے ساتھ ایک دنیا مسخر کر لی تھی۔

کیا کوئی شخص مصر کی فتح و شادمانی کی ان خبروں پر یقین لاسکتا تھا کہ جنگ کے تیسرے دن اسرائیلی ٹینک اور اسکی فضائیہ بالکل تباہ کی جاچکی ہے۔ اس طرح تو اسرائیل کی حملہ آور فوج کو بھوتوں کی فوج قرار دینا پڑتا، جو باوجود ختم ہو جانے کے علاوہ بڑھ چڑھ کر اپنے دشمن کو ٹھکانے لگا رہی تھی۔ مصری سپاہ ۵۶ء کی شکست کی طرح لائن باندھے کھڑی تھی، اور اسرائیل اسے ختم کرنے کے وہی آزمودہ حربے استعمال کر رہے تھے۔ مصری

بارطیارے کچھ اس طرح ایک جگہ جمع کر دیئے گئے تھے کہ انھیں
یاہ کرنے میں اسرائیلیوں کو کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے
اور یہ سب کچھ صدر ناصر کی "جنگی مہارت" کا نتیجہ تھا
س کے دور میں وادیٔ نیل کی سرزمین دنیا میں سب سے زیادہ
قروض ہو چکی ہے اور ملکی معیشت کا بری طرح دیوالیہ نکل گیا ہے۔
مصر کے طاقتور حلیف روس نے بھی بردست منافقت
ثبوت دیا۔ جب عرب سوشلسٹ ملکوں نے روس سے
راہ راست امداد کی درخواست کی تو امداد کے بجائے ان کے
ضیروں کو ہتھیار ڈال دینے کی تجویز کی گئی۔ زد سس

نہ اس قابل تھا کہ براہِ راست مداخلت کرتا اور نہ ہی
وہ ان "ناقابلِ اعتماد دوستوں" کے لئے واقعتاً کچھ
کرنا چاہتا تھا۔ براہِ راست فوجی مداخلت کے بارے
میں اس کا جواب وہی تھا جو آج سے کئی سال پہلے
ویت نام میں ہو چی من کو دیا گیا تھا۔
جب اقوام متحدہ میں عرب نمائندوں نے روسی ہتھیاروں کی
خرابی کا رونا رویا تو ایک روسی نے طنزاً جواب دیا۔
"یہ ہتھیاروں کی خرابی نہیں بلکہ ان کے چلانے والے
ہاتھوں کی خرابی کا نتیجہ ہے"

مفردات القرآن قرآنی الفاظ کی شرح و توضیح پر امام راغبؒ کی وہ شہرۂ آفاق کتاب جو بڑی بڑی تفاسیر کے لئے بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اردو ترجمہ کے ساتھ۔ چالیس روپے۔ ۴۰/-

بے مثال زندگی فخر کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت کا ایمان افروز خلاصہ۔ حافظ امام الدین رام نگری کے قلم سے۔ قیمت ——— ۶۵ پیسے۔

خزینۃ الاسرار بیماری، مقدمہ، بے روزگاری گھریلو جھگڑے، پریشانیاں حادثات وغیرہ میں کام دینے والے نایاب خاندانی عملیات و تعویذات کا انمول ذخیرہ۔ آزمائے ہوئے روحانی نسخے۔ زود اثر نقش، کارآمد زائچے ——— ہر خاص و عام اس قیمتی کتاب سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ قیمت صرف ۳/-

مکتبہ تجلّی۔ دیوبند (یو، پی)

حاصلِ مطالعہ نمبر ۱۹۶۶ء

گذشتہ سال جو ضخیم حاصل مطالعہ نمبر شائع ہوا
وہ ہر طرف پسند کیا گیا۔ اسی لئے اسے زائد چھپوا کر
رکھ لیا گیا تھا۔ آپ نے اگر یہ دلچسپ اور مفید نمبر نہیں
یکھا تو آج بھی اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ رعایتی
رت تین روپے۔ اگر یہی نمبر سفید کتابی کاغذ پر
طلوب ہو تو چار روپے میں مل سکے گا۔

اس نمبر کا بہت خاص مضمون مولانا مودودی
کے اپنے قلم سے ان کی مفصل روداد ہے اور شیخ
عبداللہ کے خطوط بھی اسی نمبر کی زینت ہیں۔
شائقین فائدہ اٹھائیں۔

مکتبہ تجلّی۔ دیوبند (یو، پی)

منقول از "ایشیا"
لاہور

تفہیم حدیث

مولانا مودودی
کے
درس حدیث

ذیل میں جو احادیث درج کی جارہی ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک حدیث گذشتہ درس میں بیان ہوچکی ہے۔ (ملاحظہ ہو تجلی، جولائی آخری حدیث) جس میں جنازہ کو دیکھ کر حضورؐ کے اور دو صحابیوں کے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔

جنازے کو دیکھ کر کھڑا ہونے سے موت کا احساس ہوتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہمارے اس چیز سے ایک اخلاقی سبق لیا جائے جو ہمارے سامنے موت، حادثے یا نعمت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایسی چیزوں کو دیکھ کر ہر صاحب احساس اثر قبول کرتا ہے اور اپنے اوپر اس کیفیت کو طاری کرلیتا ہے۔

"حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ جب آپؐ کسی جنازے کے ساتھ جاتے تھے تو اس وقت تک نہیں بیٹھتے تھے جب تک جنازہ قبر میں اتار نہ دیا جاتا۔

ایک دفعہ یہودی عالم نے ایسے موقع پر کہا کہ ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں کہ مردہ کو قبر میں رکھنے تک کھڑے رہتے ہیں۔ اس کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا ان کے طریقے کے مخالف عمل کرو۔"

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ کی ایک راوی کمزور ہے۔ اس لئے یہ حدیث غریب ہے لیکن اس حدیث کے مضمون میں کوئی قباحت نہیں ہے دوسری احادیث تائید کرتی ہیں کہ اس کے معانی درست ہیں اور اس صورت میں راوی کمزور بھی ہوں، پھر بھی روایت کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ دوسری روایات میں بیان کیا ہے کہ جنازہ جب تک رکھ نہ دیا جائے۔ بیٹھا نہ جائے۔ اس سے دونوں چیزیں مراد لی جاسکتی ہیں۔ جنازہ قبر میں رکھنا اور کندھوں سے اتار کر زمین پر رکھنا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ حضورؐ کا پہلے اس پر عمل رہا بعد

میں دوسرے معنی کے مطابق ہوگیا۔ لہٰذا کوئی تناقض نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہودی عالم کے کہنے پر کہ ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ آپ نے اس پر عمل ترک کر دیا۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ حضورؐ اگر یہودی عالم کی تائید پر کھڑے رہتے تو لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ یہودیوں کا یہ رواج منشائے شریعت کے عین مطابق ہے۔

قدیم شریعتوں کے بعض احکام تو وہ تھے۔ جو انبیاءؑ علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے۔ دوسرے احکام وہ تھے جو ان کے علماء نے مستنبط کئے تھے اور بیسیوں طور رواج ان میں رائج ہو کر ان کی شریعت میں گڈمڈ ہو گئے تھے وہ لوگ ان سب چیزوں کو شریعت سمجھ کر عمل کرتے تھے۔ اور ان میں امتیاز کرنے کا اب کوئی ذریعہ نہیں رہا تھا۔

اس بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے کی مخالفت کی تاکہ ان کا رواج ہماری شریعت نہ بن جائے اور آپ نے بیٹھنے کا حکم دیا۔

خدا کی شریعت کا مزاج یہ ہے کہ وہ حلال و حرام کے معاملہ میں بہت ذکی الحس واقع ہوئی ہے۔ اسی معاملہ کو دیکھ لیجئے۔ بظاہر یہ ایک معمولی سی بات ہوتی ہے اور یہ کوئی اتنا اہم معاملہ نہ تھا۔ مگر حضورؐ نے اسے بھی گوارا نہ فرمایا۔ اسلامی شریعت کا مزاج اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی چیز کو اپنانے میں کتنی محتاط ہے۔ لیکن افسوس کہ آج بے غل و غش مغربی نمونہ ہائے ثقافت کو اسلامی ثقافت کا جزو ثابت کیا جا رہا ہے اور نہیں سوچا جاتا کہ اسلامی شریعت کی روح کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہم کو حکم دیا تھا کہ جب جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو اس کے بعد آپؐ بیٹھے رہے اور ہمیں بھی حکم دیا کہ بیٹھے رہو۔

اس حدیث سے پہلا حکم منسوخ نہیں ہو گیا۔ اور نہ یہ دوسرا لازم و واجب ہو گیا۔ نہ کھڑا ہونا واجب ہے کہ ایسا نہ کرنے پر باز پرس ہو گی اور نہ اس کے برعکس۔ بلکہ یہ صرف ایک اخلاقی فعل ہے اور مستحب ہے۔ دونوں پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں طریقوں کے متعلق حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو واجب اور مستحب کا فرق معلوم ہو جائے۔ کیونکہ جس طرح غیر واجب کو واجب بنا لینا بدعت ہے۔ اسی طرح واجب کو غیر واجب یا مستحب کا درجہ دیدینا بھی بدعت ہے۔ جس مستحب کو واجب درجہ دیدیا گیا ہو اسے ترک کر دینا مناسب ہے۔

حضرت محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک جنازہ گذرا۔ اس حالت میں کہ حضرت حسنؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت حسنؓ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور عبداللہ بن عباسؓ بیٹھے رہے۔ اس پر حضرت حسنؓ نے کہا کہ کیا حضورؐ ایک یہودی کا جنازہ دیکھ کر کھڑے نہیں ہو گئے تھے۔ ابن عباسؓ نے جواب میں کہا ہاں۔ مگر بعد میں آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے (یعنی آپؐ کا پہلا عمل کھڑا ہونے کا تھا۔ بعد میں آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے) حضرت حسنؓ کی باز پرس پر عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ کھڑا ہونا ایک مستحب کام ہے جس کے ترک کر دینے پر آپ کو باز پرس کا حق نہیں۔

غالباً حضرت حسنؓ کو وہ احادیث نہیں پہنچی تھیں۔ جن میں بیٹھے رہنے کا ذکر آیا ہے۔ چونکہ دونوں طرح عمل کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت حسنؓ کو روکا نہیں کہ وہ کیوں

کھڑے ہوئے ہیں۔

"حضرت جعفر بن محمد (صادق) اپنے والد محمد باقر بن حسنؓ بن علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک جنازہ وہاں سے گذرا۔ اسے دیکھ کر لوگ کھڑے ہوگئے۔ یہاں تک کہ جنازہ گذر گیا۔ حسنؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک یہودی کا جنازہ گذرا۔ آپؐ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ ایک یہودی کا جنازہ آپ کے سر پر سے گذرے۔ اس لئے آپؐ کھڑے ہوگئے۔"

اس روایت میں یہودی کے جنازہ کو دیکھ کر حضورؐ کے کھڑے ہونے کا سبب حضرت حسنؓ کا اپنا استنباط ہے حضورؐ کا قول نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ لوگوں کے جواب میں حضورؐ نے یہ وجہ بیان فرمائی ہو، بلکہ حضرت حسنؓ نے اپنی جگہ یہ سمجھا۔ غالباً وہ حدیث آپ کو نہیں پہنچی کہ "کیا یہ نفس نہیں"

حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی جنازہ تمہارے پاس سے گذرے تو کھڑے ہوجایا کرو۔ خواہ وہ جنازہ کسی یہودی کا ہو عیسائی کا ہو یا مسلمان کا ہو۔ تم اس میت کے احترام میں نہیں بلکہ فرشتوں کے احترام میں کھڑے ہوگے۔ جو اس جنازہ کے ساتھ ہوں گے۔"

ہر جنازے کے ساتھ فرشتے ضرور ہوتے ہیں کافر کے جنازے کے ساتھ عذاب کے اور مسلمان کے ساتھ رحمت کے۔

اس حدیث میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ موت کے احترام اور ہولناکی کی وجہ سے کھڑا ہونا اور فرشتوں کی موجودگی کے احساس سے کھڑا ہونا اور اس احساس سے کہ میرے ساتھ بھی یہ وقت آنے والا ہے۔ وغیرہ ایک ہی معاملہ کے مختلف پہلو ہیں۔

"حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا۔ آپ اسے دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ لوگوں نے کہا یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، میں ملائکہ کی وجہ سے کھڑا ہوا ہوں۔"

یہ مختلف جنازوں کے متعلق حضورؐ کے ارشادات ہیں، کسی موقع پر آپؐ نے فرمایا کیا وہ نفس نہیں۔ کسی جگہ موت کی ہولناکی کا احساس اور کسی جگہ فرشتوں کے احترام کے متعلق جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

"حضرت مالکؓ بن ہبیرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس مسلمان کی نماز میں تین صفیں ہوں اسکی نجات واجب ہے۔"

اس حدیث کی بنا پر حضرت مالکؓ کا یہ طریقہ تھا کہ جنازہ پر تھوڑے آدمی ہوتے تب بھی ان کی تین صفیں بنا دیتے۔ اور ترمذی کی ایک روایت میں انہی کے متعلق آیا ہے کہ مالک بن ہبیرہؓ جب جنازہ پڑھاتے، تو اس میں شریک ہونے والوں کی تین صفیں بنا دیتے پھر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مسلمان کے جنازے میں تین صفیں ہوں، اس کی نجات واجب ہوجاتی ہے۔

اسکی مد عا در اصل یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی ایک تعداد میت کے حق میں دعا کرے گی تو وہ اس کیلئے

نافع ہوگی۔

لیکن خیر کی پیاس رکھنے والا خیر اور بھلائی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا اور اسی کی تاک میں لگا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت مالکؒ تھوڑے آدمیوں کی بھی تین صفیں کر دیتے تھے تاکہ تین صفوں میں جو خیر ملنی چاہیئے اس مشابہت سے وہ حاصل ہو جائے۔

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھی۔

"خدایا تو ہی اس کا رب ہے، تو نے ہی اسے پیدا کیا، تو نے اسے اسلام کی راہ دکھائی، تو نے ہی اس کی روح قبض کی، اور تو ہی اس کے حال کو جاننے والا ہے، ہم تیرے پاس سفارشی بن کر آئے ہیں۔ الٰہی تو اسے معاف کر دے۔"

اس سے پہلے بہت سی روایات گذر چکی ہیں کہ حضورؐ نے مختلف مقامات پر مختلف دعائیں فرمائیں۔ نماز جنازہ حقیقت میں دعائے مغفرت ہے، جو میت کے حق میں کی جاتی ہے۔

"حضرت سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے نکلا۔ وہ ایک بچے کی نماز جنازہ پڑھا رہے تھے، جس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ میں نے انہیں یہ کہتے سنا "خدایا اسے عذاب قبر سے بچا"

یہ حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا قول ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے یہ قول آنحضرتؐ سے سنا ہو۔ اس لئے اسے محض ایک صحابی کا قول سمجھ کر چھوڑ دینا درست نہیں۔ محدثین نے صحابہ کرام کے اقوال بھی اس لئے جمع کر دیئے ہیں کہ مختلف مسائل میں ان کے اتفاق اور اختلاف رائے کا پتہ چل جائے جن مسائل میں وہ متفق ہیں ان میں اس اتفاق رائے سے ہٹ کر کوئی قول یا عمل اختیار کرنا جائز نہیں — اور جن مسائل میں ان کے ہاں مختلف عمل پایا جاتا ہے۔ وہاں آدمی کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ جس صحابی کا چاہے قول اختیار کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک معصوم بچے کے حق میں عذاب قبر سے بچاؤ کی جو دعا فرمائی۔ اس کا مفہوم یہ تھا کہ اسے قبر میں کسی تکلیف کا سامنا نہ ہو۔

"امام بخاریؒ نے حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک بچے کی نماز جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔ اور یہ دعا کی "اے اللہ اسے ہمارے لئے سلف بنا، فرط بنا۔ ذخر بنا اور باعث اجر بنا"

امام بخاریؒ کا دستور ہے کہ کوئی باب شروع کرنے سے قبل وہ بالعموم کسی صحابی کا قول یا عمل تعلیقاً درج فرما دیتے ہیں جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ ذیل کا باب اس موضوع سے متعلق ہے۔

سلف — سے مراد وہ مال ہے جو کسی کو پیشگی ادا کیا جائے۔ فرطاً — عربی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے والوں میں سب سے آگے ہو۔

ذخراً — وہ مال جس کو سنبھال کر رکھا جائے۔

اجراً — انعام۔

یعنی حضرت حسن بصریؒ نے بچے کی نماز جنازہ پر یہ دعا اس لئے فرمائی کہ یہ بچہ اپنے والدین اور بھائی بہن کے لئے مغفرت کا باعث بنے، اور اس کی موت سے اس کے عزیز و اقارب کو جو صدمہ ہوا ہے، وہ ان کے لئے باعث اجر ہو۔

"حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں

کہ حضورؐ نے فرمایا کہ بچے پر پیدا ہونے کے بعد جب تک وہ آواز نہ نکالے، نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ وہ کسی کا وارث نہیں ہوگا اور نہ اس کا کوئی وارث ہوگا۔"

یعنی زندگی کی علامت آواز ہے۔ اور آواز نکالنے کے بعد وہ مرے تو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ اور وراثت کا قانون بھی اس پر لاگو ہوگا۔

"حضرت ابومسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ امام اونچی جگہ کھڑا ہو اور مقتدی نیچی جگہ ہو۔

حضورؐ کے اس فرمان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شریعت اسلامی کا مزاج کس قدر نازک واقع ہوا ہے۔ ہم ایک شخص کو اجتماعی ضرورت کے تحت امام مقرر کرتے ہیں لیکن اس سرداری کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شخص اعلیٰ وارفع ہے اور دوسرے سب نیچے۔ اس کے دماغ میں بڑائی کی یہ ہوا نہیں بھرنی چاہیئے۔ اس قدر احتیاط کے باوجود دیکھنے میں آتا ہے کہ جن لوگوں کے دماغوں میں یہ ہوا بھری ہوتی ہے، وہ نماز میں بھی اس کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

"حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے صاحبزادے عامر بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے باپ حالت نزع میں تھے تو انھوں نے کہا کہ میرے لئے لحد بناؤ، اور اس پر اوپر سے کچی اینٹ نصب کر دینا جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر علامت بنائی گئی تھی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی لحد بنائی گئی تھی۔ لحد کو ہمارے ہاں بغلی قبر کہتے ہیں اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنے لئے بھی اسی کی وصیت فرمائی۔

"حضرت سلیمان التیمی سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر دیکھی وہ کوہان کی شکل میں تھی۔"

اس معاملے میں جو ہدایات ہیں وہ یہ کہ قبر کو کوہان کی شکل میں اس لئے بنایا جائے کہ لوگ اس پر بیٹھنے نہ پائیں۔ تمام ائمہ کی یہی رائے ہے۔ اس سے کوئی بڑائی یا عظمت مقصود نہیں۔ کوہان زیادہ اونچا بھی نہ بنایا جائے۔

"حضرت ابوالحیاج اسعدیؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے مجھ سے فرمایا کیا میں تمھیں اس مہم پر بھیجوں۔ جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا۔ اور وہ یہ کہ تم جس تصویر کو پاؤ اسے مٹا دو۔ اور جس قبر کو اونچا دیکھو اسے برابر کر دو۔"

بخاری و مسلم میں وہ واقعہ بھی درج ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اس مہم پر روانہ کیا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ایک دوسرے شخص کو اس کام کے لئے بھیجا۔ لیکن وہ ہمت نہ کر سکا۔ پھر حضورؐ نے یہ مہم حضرت علیؓ کے سپرد فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ مشاہدات سے تصویریں مٹائی جائیں اور اونچی قبروں کو برابر کیا جائے۔ اس سے یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ گھروں میں بھی تصاویر کا رکھنا درست نہیں۔ حضورؐ نے یہ کام اس زمانے میں کیا جب مدینہ میں نئی نئی اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی اور اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی فتنہ نہ برپا ہو جائے۔ اس کے باوجود آپؐ نے یہ قدم اٹھایا

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت پولیس کمشنر کے ذریعے ایسے شرعی احکامات کی راست تنفیذ کرا سکتی ہے۔

"حضرت ابو مرثد غنویؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبروں پر نہ بیٹھو۔ نہ ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔"

اس سے پہلے ایک حدیث بیان ہو چکی ہے جس میں حضرت علیؓ نے اپنے ایک پولیس کمشنر کو حکم دیا تھا کہ جس تصویر کو پاؤ، مٹا دو۔ اور جس قبر کو اونچا دیکھو اسے برابر کر دو۔ پھر فرمایا کہ میں تمھیں اس کام پر بھیج رہا ہوں جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا (تصاویر مٹانے اور قبروں کو برابر کرنے کے کام پر) دوسری حدیث جس میں حضورؐ نے تین باتوں سے منع فرمایا ہے۔

(۱) قبروں کو پختہ بنانا (۲) قبروں پر بیٹھنا (۳) اور ان پر عمارت بنانا یا خیمہ لگانا۔

یہ مختلف لوگوں کی روایات ہیں متعدد صحابہ کرامؓ ان کے راوی ہیں۔ تو ایسی احادیث جو متعدد صحابہ سے روایت کی گئی ہوں اور ان کا مضمون ایک ہی ہو۔ متواتر ہو جاتی ہیں اور ان میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ مذکورہ بالا تینوں حدیثیں یکساں مضمون بیان کر رہی ہیں۔

یہاں کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب حضورؐ نے قبروں پر عمارتیں بنانے سے خود منع فرمایا ہے تو پھر حضورؐ کے روضۂ مبارک کی تعمیر کی کیا توجیہ ہے؟

جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار مبارک عمارت ہی میں بنا تھا۔ آپ کو حضرت عائشہ کے حجرہ میں دفن کیا گیا تھا۔ آپ کا ارشاد تھا کہ نبی جہاں وفات پاتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے۔ اس بنا پر آپ کی تدفین وہیں کی گئی۔

دوسری بات یہ کہ صحابہ کرامؓ نے اس پر خود کوئی عمارت تعمیر نہیں کی تھی۔ بعد میں حضرت عثمانؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی گورنری کے زمانہ میں جب مسجد نبوی کی توسیع کی نوبت آئی تو اس وقت ناگزیر ہو گیا کہ سب حجروں کو توڑ کر مسجد میں شامل کر دیا جائے۔ جب سب حجروں کو مسجد نبوی میں ملایا جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار مبارک مسجد کے اندر شامل ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے ناگزیر ہو گیا کہ اس پر کوئی عمارت بنا دی جائے تاکہ اس کی حیثیت مسجد سے الگ رہے چنانچہ اس ضرورت کی بناء پر ایسا کیا گیا۔

ابو مرثد غنویؓ کی یہ حدیث کہہ رہی ہے کہ قبروں پر بیٹھنے اور ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔

بیٹھنے کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ رفع حاجت کے لئے بیٹھنا مراد ہے۔ لیکن یہ بعید تاویل ہے صحیح بات یہی ہے کہ عام بیٹھنا مراد ہے۔

قبر کی توہین سے روکا گیا ہے۔ قبر کے اوپر پھسکڑا مار کر بیٹھنا اس کی توہین ہے۔ لیکن ایسی تعظیم سے بھی روکا گیا ہے، جس سے عبادت کا شبہ پیدا ہو۔ چنانچہ قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے روکا گیا، تاکہ یہ اندیشہ نہ رہے کہ قبر کی عبادت یا پوجا کی جا رہی ہے۔

یہ احتیاطی ہدایات حضورؐ اس لئے ارشاد فرما رہے ہیں کہ اس سے پہلے یہودی اور عیسائی اس میں مبتلا ہو چکے تھے۔ چنانچہ میں نے بچشم خود عیسائیوں کو حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش اور صلیب کی جگہ زمین پر پیشانی ٹکا کر طرح سجدہ کرتے دیکھا ہے لہٰذا یہ حضورؐ کا محض خیالی اندیشہ نہیں تھا بلکہ وہ قومیں فی الواقع اس میں مبتلا ہو چکی تھیں اور آپ اپنی امت کو اس سے روکنا چاہتے تھے

"حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، تمھارا کسی انگارے پر بیٹھنا اور اس سے تمھارے کپڑے اور جلد کا جل جانا اس سے بہتر ہے کہ تم کسی قبر پر بیٹھو"

"حضرت عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ مدینے میں دو صاحب تھے (گورکن) ایک بغلی قبر بناتے تھے اور دوسرے صاحب سیدھی"۔

حضورؐ کے وصال پر صحابۂ کرامؓ نے آپس میں طے کیا کہ اُن دونوں میں سے جو پہلے آئے گا۔ اس سے حضورؐ کی قبر بنوالی جائے گی۔ چنانچہ وہ صاحب پہلے آگئے جو لحد بناتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے حضورؐ کی قبر مبارک بنائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ بغلی قبر اور سیدھی قبر میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں جائز ہیں۔ ورنہ صحابۂ کرام یہ نہ کہتے کہ جو پہلے آجائے اس سے قبر بنوالی جائے گی۔

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لحد ہمارے لئے ہے اور سیدھی دوسروں کے لئے (یعنی انبیاء علیہم السلام کے لئے موزوں قبر لحد والی ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منجملہ فضائل میں ایک یہ بھی ہے کہ وہی صاحب پہلے آئے جو لحد والی قبر بناتے تھے۔ حالانکہ حضورؐ کی اس بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں تھی کہ میری قبر لحد والی بنائی جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کبھی یہ نہ کہتے کہ دو گورکنوں میں سے جو بھی پہلے آگیا اس سے قبر بنوالی جائے گی۔ پھر موجود صحابہ میں سے متعدد ایسے تھے جن کے علم میں حضورؐ کا یہ ارشاد نہ تھا چونکہ حضورؐ اپنے لئے لحد پسند فرماتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسی کا سامان کردیا۔

"ہشام بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اُحد کے روز فرمایا کہ قبریں کھودو اور وسیع کھودو، اور گہری کھودو اللہ اچھی قبریں بناؤ۔ دو دو کو، اور تین تین کو ایک ایک قبر میں دفنادو۔ اور جو قرآن کا علم زیادہ رکھتا ہو۔ اس کو پہلے قبر میں رکھو"۔

یہ غزوۂ احد کا واقعہ ہے۔ جس میں ستر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے۔ صحابہ تھکے ہوئے تھے۔ ستر شہداء کے لئے الگ الگ ستر قبریں کھودنا اس موقع پر ایک مشکل کام تھا۔ اس لئے حضورؐ نے ایک ایک قبر میں دو دو تین تین کو دفنانے کا حکم دیا قبر کے بارے میں حضورؐ نے یہ ہدایات دیں کہ قبر تنگ نہ ہو۔ گہری ہو۔ اتھلی نہ ہو (قبر اتنی گہری ہونی چاہیئے کہ آدمی اس کے بیچ کھڑے ہو کر ہاتھ اونچا کرے تو وہ باہر نہ دکھائی دے) اچھی قبر ہو یعنی صاف اور ہموار ہو۔

پھر آپ نے فرمایا کہ دفن کے وقت قرآن زیادہ جاننے والے کو قبر میں پہلے اتارو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں فضیلت اور بڑائی کا معیار دولت، حسن، جوانی اور اقتدار نہیں بلکہ قرآن کا علم ہے۔

"جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جنگ اُحد کے دن میری پھوپھی میرے باپ کی لاش کو میدان جنگ سے اٹھالائی تھیں تاکہ انھیں اپنے رشتہ داروں کی قبروں کے ساتھ دفن کیا جائے کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ شہیدوں کو اسی مقام پر واپس لے جاؤ۔ جہاں وہ قتل ہوئے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید جہاں ہوا ہو وہیں دفن کردیا جائے۔ یعنی وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے بلکہ اسی مقام پر قریب ہی دفنا دیا جائے۔ یہی دوسرے مرنے والوں کا بھی حکم ہے۔

شریعت میں یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ لاش کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ الا یہ کہ کوئی واقعی ضرورت ہو۔

"عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر کی طرف سے قبر میں اتارا گیا۔

یہ امام شافعیؒ کی روایت ہے۔ ان کے نزدیک یہی طریقہ ہے لیکن دوسری روایات اس کے خلاف ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ، امام ابراہیم نخعیؒ اور ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبلہ کی جانب سے سیدھا قبر میں اتارا گیا۔ ان حضرات کے نزدیک صحیح طریقہ یہی ہے کہ قبلہ کی طرف سے سیدھا اتارا جائے۔

یہی حضرت عبداللہ بن روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک میت کو قبر میں اتارنے کے لئے قبر میں اترے۔ چونکہ رات کا وقت تھا۔ اس لئے چراغ جلایا گیا۔ آپ نے اسے قبلہ کے رخ سے لے کر اتارا، اور قبر میں رکھ کر فرمایا، اللہ کی رحمت ہو تم پر۔ تم بڑی زاری کرنے والے تھے اور قرآن بکثرت تلاوت کرنے والے تھے۔

گویا ان صحابی کی کثرت تلاوت قرآن کی فضیلت کی وجہ سے حضورؐ خود قبر میں اترے اور ان کو اپنے مبارک ہاتھوں سے قبر میں اتارا۔

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جس وقت میت قبر میں اتاری جاتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے، اللہ کے نام سے، اللہ کے ساتھ، اور رسول کی ملت پر (یا طریقے) پر۔

جعفر بن محمد باقر اپنے والد امام زین العابدین سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ (جب ثقہ آدمی مرسل روایت کرتا ہے تو وہ رد نہیں کی جا سکتی) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو دفن کرنے کے بعد تین مرتبہ لپ بھر بھر کر مٹی ڈالی۔

یہ سنت ہے کہ حاضرین تین مرتبہ دونوں ہاتھوں سے لپ بھر بھر کر قبر پر مٹی ڈالیں۔ ایک ہاتھ سے نہیں بلکہ دونوں ہاتھوں کی لپ سے مٹی ڈالنا سنت ہے۔

آپ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکوایا اور اس کے اوپر کنکریاں ڈلوادیں۔

بس قبر کی بڑی سے بڑی بخشش یہ ہے کہ اس پر پانی چھڑکوا دیا جائے اور کنکریاں ڈلوا دیں جائیں۔ بس اتنا جائز ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس بات سے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے۔ اور آپ نے منع فرمایا کہ قبروں پر لکھا جائے اور منع فرمایا کہ قبروں پر چلا جائے۔

یعنی قبروں کو پختہ کرنے یا ان پر لکھنے اور ان پر چلنے سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔ یعنی نہ قبروں کو پامال کیا جائے اور نہ ان کی اتنی تعظیم کی جائے۔ جس سے پرستش کا شبہ ہو۔ بلکہ درمیانی راستہ اختیار کیا جائے (اس سلسلہ کی احادیث پہلے بیان ہو چکی ہیں)۔

یہی حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر بھی پانی چھڑکا گیا تھا۔ اور پانی چھڑکنے والے حضرت بلال بن رباح تھے۔ انھوں نے سرہانے کی طرف سے پانی چھڑکنا شروع کیا اور پائنتی تک چھڑکا۔

سرہانے کی طرف سے پانی چھڑکنا آداب میں سے ہے۔

مولانا مودودی کی مجلس

ہفت روزہ آئین لاہور

۵۔ لے ذلیدار پارک میں ۵ جون ۶۷ء کی شام کا موضوع صرف مشرق وسطیٰ تھا۔ یہ اسرائیل کے جارحانہ حملے کا پہلا دن تھا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے حاضرین کے مختلف استفسارات کے جواب میں جو کچھ بتایا اس سے تازہ ترین صورت حال کا بڑا جامع اور مکمل تجزیہ ہوتا چلا گیا۔

مولانا نے فرمایا:۔

● اسرائیل نے اس جنگ میں اپنی فوج کو تین حصوں میں اس طرح تقسیم کر رکھا ہے کہ ہر حصہ اپنی جگہ آزاد ہے۔ یعنی اسے اس کا اختیار دے دیا گیا ہے کہ اپنے محاذ پر جو قدم وہ اٹھانا چاہے اٹھائے ــــ ان تینوں حصوں میں سے ایک حصہ متحدہ عرب جمہوریہ کے لئے دوسرا حصہ اردن اور سعودی عرب کے لئے اور تیسرا حصہ شام اور عراق کی فوجوں پر حملہ کرنے کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔

● اس جنگ میں جنگی حکمت عملی کے لحاظ سے سب سے زیادہ نازک معاملہ اردن کی سرحد کا ہے۔ شام کی سرحد کا چھوٹا سا حصہ اسرائیل کی سرحد سے ملتا ہے اور مصر کے پاس میدان جنگ کے طور پر جزیرہ نمائے سینا ہے جہاں شہری آبادی بہت کم ہے۔ لیکن اردن کے ساتھ اسرائیل کی پوری مشرقی سرحد ملتی ہے۔ پھر اردن کی کئی بستیوں اور شہروں کا اپنے ملک کی اس لمبی سرحد سے ایسا تعلق ہے جیسے ناخن اور گوشت کا ہوتا ہے۔ الخلیل، جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار ہے، سرحد سے صرف تین میل کے فاصلے پر ہے ــــ بیت المقدس عین سرحد پر ہے۔ دریائے اردن جس کی حیثیت بیشتر مقامات پر اردن اور اسرائیل کے درمیان سرحدی لکیر کی سی ہے ہمارے یہاں کی ایک معمولی نہر کے برابر چوڑا ہے۔ یعنی اسرائیل اپنے یہاں سے گولہ باری کر کے ہی اردن کی کئی بستیوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے ــــ یہ تو ہوا تصویر کا ایک رخ۔ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اردن کی فوج جو عرب لیجن (جیش عرب)

کے نام سے مشہور رہے۔ تعداد میں کم ہونے کے باوجود عرب ممالک میں سب سے عمدہ تربیت یافتہ WELLTRAINED ——— ہے اس کی اس خوبی کی بدولت اسرائیلی فوج اس سے بہت گھبراتی ہے۔ گذشتہ نومبر میں اس فوج جتنی پامردی کے ساتھ اسرائیل کے ایک بھرپور حملے کو پسپا کر دیا تھا وہ بھی اس کی مہارت کو ظاہر کرتا ہے

● خلیج عقبہ کی ناکہ بندی کی پوزیشن یہ ہے کہ یہ خلیج جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں سمندری گذرگاہ کے تقریباً وسط میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ اس جزیرے سے سعودی عرب کے ساحل تک سمندر بہت اتھلا ہے اور پانی کم ہونے کی وجہ سے اس میں جہاز نہیں گذر سکتے۔ جہاز صرف اس حصے میں سے گذرتے ہیں جو اس جزیرے اور مصر کے درمیان ہے۔ لیکن یہ حصہ صرف ۱۲ سو فٹ چوڑا ہے جس کی بدولت اس کی ناکہ بندی بہت آسان ہے۔ بارودی سرنگیں نہ بھی بچھائی جائیں تو کنارے پر توپیں نصب کر کے ہی مکمل ناکہ بندی کی جا سکتی ہے خلیج عقبہ کوئی بین الاقوامی سمندر نہیں ہے بلکہ عرب ممالک کی حدود میں ہے۔ اس لئے وہ اس کی ناکہ بندی کا پورا پورا حق رکھتے ہیں۔

● جہاں تک جزیرہ نمائے سینا کا تعلق ہے اس میں آبادی تو بہت کم ہے۔ لیکن فوجی نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت واضح ہے۔ خدانخواستہ اگر یہودی اس پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک طرف نہر سوئز کا پورا مشرقی کنارہ اسرائیل کے قبضے میں چلا جائے گا۔ دوسری طرف وہ خلیج عقبہ کی ناکہ بندی ختم کر دیں گے۔ تیسری طرف وہ نہر سوئز کے مقابلے میں اپنی مجوزہ نہر تعمیر کرنے میں کامیاب ہو جائینگے اور چوتھا نقصان ہمیں یہ پہنچے گا کہ وہ سرزمین حجاز کے عین سامنے آجائیں گے۔

●

ایک نوجوان کا سوال تھا "مولانا! روس عرب ممالک کی عملی امداد کے جو دعوے اور وعدے کر رہا ہے کیا وہ انھیں پورا کرے گا؟"

مولانا نے فرمایا:-

"روس کا آخری اعلان تو یہی ہے کہ وہ بھی اس جنگ میں اسی پیمانے کی مداخلت کرے گا جس پیمانے کی مداخلت اس موقع پر امریکہ اور برطانیہ کریں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کس پیمانے کی مداخلت کرتے ہیں اور پھر روس اپنی بات کو کس حد تک نبھاتا ہے۔ اس سے پہلے کیوبا میں تو ایک مرتبہ وہ اپنی مونچھ نیچی کر چکا ہے۔"

●

ایک صاحب نے کہا۔ "مولانا! اگر بیت المقدس کا صحیح تلفظ بیت المُقَدَّس نہیں بلکہ بیت المُقَدِّس ہے تو مُقَدِّس کے کیا معنی ہیں؟"

مولانا نے فرمایا:-

"مُقَدِّس قدوسیت کے معنوں میں آتا ہے۔"

●

۵ رجون کو نماز مغرب کے بعد مولانا نے ریڈیو سے خبریں بھی حاضرین کے ساتھ ہی سنیں۔ خبروں کی نوعیت ایسی تھی کہ کوئی نیا سوال نہ ابھر سکا ——— لیکن دوسرے ہی دن سے تفکرات کے سائے نمودار ہو گئے۔ پھر یہ سائے لمبے ہونے لگے اور جلد ہی انھوں نے جیسے سارے ماحول کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ ۵ لے ذیلدار پارک میں آنیوالوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ بعض دن ایسے بھی آئے جب مرکز جماعت کی تمام کرسیاں بھی ناکافی ثابت ہوئیں۔ اور چارپائیاں استعمال کی گئیں۔ پھر جب ان سے بھی کام نہ چلا تو چٹائیاں بچھائی گئیں ——— اور آنے والوں کی طرف سے سوالات کا تانتا بندھتا چلا گیا۔

●

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں مولانا نے فرمایا:-

"یہودیوں نے جن علاقوں کو فتح کیا ہے اب وہ وہاں کی آبادیوں پر انتہائی انسانیت سوز مظالم ڈھا رہے ہیں۔ جن لوگوں کو قتل کرنا مقصود ہوتا ہے ان کی قبریں خود ان سے ہی کھدوائی جاتی ہیں۔ بعض جگہ بستی کے تمام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے مسجد کو آگ لگا دی جاتی ہے۔ یہ آگ مسجد کے چاروں طرف بھی لگائی جاتی ہے تاکہ کوئی زندہ نہ بچنے پائے۔"

●

ایک رفیق نے پوچھا۔ "یہودیوں نے مشرقِ وسطیٰ کی اس جنگ میں کتنا علاقہ فتح کیا ہے؟"

مولانا نے فرمایا:۔

"شام، اردن اور مصر کا کل ملا کر چوبیس ہزار مربع میل علاقہ ان چاروں میں یہودیوں نے فتح کیا ہے جب کہ اسرائیل کا اپنا رقبہ آٹھ ہزار مربع میل ہے۔"

●

ایک رفیق کہہ رہے تھے۔ "مولانا! اُردو ڈائجسٹ کے ایک شمارے میں ظفر احمد انصاری صاحب نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا کہ صدر ناصر یہودیوں کے ایجنٹ ہیں۔ آپ اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔"

مولانا نے فرمایا:۔

"یہ بعض لوگوں کا اپنا قیاس یا ان کی رائے ہو سکتی ہے۔ ہم تو بہر حال صدر ناصر کے متعلق یا کسی دوسرے کے متعلق جو کہتے ہیں وہ واقعی FACTS کی بنیاد پر ہی کہتے ہیں۔"

●

ایک صاحب نے کہا۔ "یہودیوں نے اعلان کیا ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ کو توڑ کر اس کی جگہ اپنی عبادت گاہ بنائیں گے۔"

مولانا نے جیسے بے چین ہو کر فرمایا:۔

"دعا کیجئے کہ ایسا نہ ہو۔ خدا ہماری مدد فرمائے۔ اور یہودی اس ارادے میں ناکام رہیں۔"

ایک اور صاحب نے فرمایا:۔

"مولانا! کیا دعاؤں سے ایسی مصیبت ٹل سکتی ہے"

مولانا نے فرمایا:۔

"ایک مسلمان کے بس میں اگر اور کوئی چیز نہ ہو تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ اپنے خدا سے دعا بھی نہ مانگے ـــــ پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ ہم سب کے لئے مسجد کے مسمار کئے جانے کی بات کوئی ایسی معمولی بات نہیں ہے کہ ہم بے تکلفی کے ساتھ اسے دہراتے پھریں۔ یہ تو وہ چیز ہے جسے سوچ کر ایک مسلمان کی روح کانپ جاتی ہے۔"

●

ایک موقع پر خاموشی کے ایک وقفے کے بعد مولانا نے فرمایا:۔

"مشرقِ وسطیٰ میں جو کچھ ہوتا ہے اس میں کئی چیزیں ایسی ہیں کہ سوچ سوچ کر راتوں کی نیند اُڑ جاتی ہے۔ جنگ میں اُردن کے جو علاقے محاذِ جنگ بنے ہیں وہ سب میرے دیکھے ہوئے ہیں اردن کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ ایک سڑک بیت المقدس کو جاتی ہے۔ اس سڑک پر حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ، حضرت شرجیل بن حسنہؓ اور حضرت ضرار بن ازورؓ کے مزارات مختلف فاصلوں پر واقع ہیں۔ آج ان کے سامنے سے مسلمانوں کے لٹے پٹے قافلے، وہ ساری سرزمین چھوڑ کر آ رہے ہیں جسے ہمارے ان اسلاف نے بے پناہ قربانیوں اور جاں فشانیوں کے ساتھ اسلام کے لئے حاصل کیا تھا۔"

●

حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا۔ "مولانا! ڈیلی ٹیلیگراف نے لکھا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں عربوں کی فوجی طاقت پوری طرح کچل دی گئی ہے اور اب مسلم ممالک میں صرف پاکستان اور ترکی دو ایسے ملک ہیں جو اسرائیل کی فوجی طاقت کو کچلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

مولانا نے فرمایا:-
"میں سمجھتا ہوں یہ دراصل ان لوگوں کی طرف سے اس بات کی نشاندہی ہے کہ اب مسلمانوں میں ترکی اور پاکستان دو مضبوط ملک باقی رہ گئے ہیں انھیں بھی ٹھکانے لگانے کی سوچ ـــــ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہمارے لئے اس "خراج تحسین" پر فخر سے زیادہ اس نشاندہی پر بیدار ہونے اور مضبوط تر بننے کا مرحلہ ہے۔"

THE UNTOLD STORY

اَن کہی کہانی

LT.GEN.B.M.KAUL

جب چین نے ہندوستان کی کمر میں چھرا بھونکا ـــــ یہ ایک بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ اس نازک وقت کی کہانی لیفٹیننٹ جنرل بی۔ ایم کول کے قلم سے جو خود اس جنگ میں آگے آگے تھے۔ اس کتاب میں بعض ایسے رازوں کا بھی انکشاف ہے جن کی وجہ سے اس کی گونج سارے ہندوستان میں حتیٰ کہ پارلیمنٹ میں بھی سنی گئی۔ بعض اہلِ اقتدار کے تیور کچھ ایسے ہی تھے جیسے بہت جلد نہ صرف اس کتاب کو ضبط کرلیں گے۔ بلکہ اس کے مصنف سے کڑی باز پرس بھی کریں گے۔

مگر ابھی تک یہ کتاب آپ کے مطالعہ کے لئے دستیاب ہے۔ چند ہی نسخے ہیں۔ اہلِ اشتیاق جلد طلب کریں۔ قیمت ـــــ مجلد ... بیس روپے۔

نوٹ:- ملحوظ رہے کہ کتاب انگریزی میں ہے۔ اردو ترجمہ نہیں ہے۔

مکتبہ تجلّی - دیوبند (یو۔پی)

ہوتے رہے۔ لیکن گذشتہ تمام ایڈیشنوں میں اس ایڈیشن کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ گذشتہ ایڈیشنوں میں جو خامیاں اور اغلاط تھے ان سے اس رسالے کو صاف اور پاک کرنے کی ہم نے بڑی کوشش کی ہے۔ اس کی تصحیح و تصویب میں ہمارا شیخ عبد الرزاق عفیفی اور شیخ اسماعیل انصاری نے ہاتھ بٹایا ہے اس کے ماسوا ہم نے اس رسالے کو محترمی مفتی مملکت سعودیہ جناب شیخ محمد بن ابراہیم اور شیخ الاسلام عبد الوہاب کے پوتے کو پڑھ کر سنایا۔ انھوں نے بہت سے ایسے الفاظ کی نشاندہی کی جس میں دوسرے رسالے مختلف فیہ تھے اس اعتبار سے یہ ایڈیشن اپنے گذشتہ ایڈیشنوں سے کئی اعتبار سے سبقت لے گیا۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ میری اس کوشش میں میری معاونت کرے گا اور میری اصلاح کر دے گا اور وہ بہت بڑا کریم اور فیاض ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

(علی الحمد الصالحی)

تندرستی اور جوانی برباد کرنیوالے

امراض سے چھٹکارہ پانے کیلئے

محافظ شباب

مفت منگا کر پڑھیئے

اس امراض کا کامیاب، اصولی درست طریقۂ علاج درج ہے۔

حکیم محمد عظیم زبیری قصبہ امروہہ

(مراد آباد) بھارت یوپی

مسجد سے میخانے تک

تجلی میں شائع شدہ ملا ابن العرب مکی کے شہ پاروں کا انتخاب کتابی شکل میں

حصہ اول مجلد پانچ روپے (حصہ دوم زیر کتابت ہے)

دیہاتی معالج

ویسے تو یہ کتاب بظاہر دیہاتیوں کے کام کی نظر آتی ہے مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ ہم آپ بھی اس سے بیش بہا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں آئے دن وارد ہونے والے تمام امراض کا علاج ایسی چیزوں سے تجویز کیا گیا ہے جن میں سے کتنی ہی چیزیں ہمارے گھروں اور بازاروں میں موجود رہتی ہیں۔ مثلاً سیاہ مرچ، کھٹائی، شہد، پھٹکڑی، لہسن، پیاز، الائچی، ہلدی وغیرہ۔ گھر میں اس کتاب کا رہنا بڑی ہی نعمت ہے کہ بعض ناگہانی امراض یا حادثات میں یہ فوری رہنمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے چھپائی اعلیٰ عکسی۔ انسانی اعضاء اور خاص جڑی بوٹیوں کی بیشمار تصویریں۔ حصہ اول کے صفحات ۳۱۲ قیمت تین روپے ۳/-

حصہ دوم کے صفحات ۲۳۲ قیمت ڈھائی روپے ۲/۵۰

مکتبہ تجلی - دیوبند (یو، پی)

شمس نوید عثمانی

کھرے کھوٹے

شیخ اکبر اور اقبال از:۔ سید حسن مثنیٰ انور صاحب کچھوچھوی ایم اے، علیگ۔ صفحات ۳۲۔ ناول سائز۔ قیمت نامعلوم شائع کردہ:۔ دار التصنیف والتالیف۔ مبارکپور۔ اعظم گڈھ۔

اس کتابچے میں شیخ اکبر (ابن عربی) کے نظریہ وحدت الوجود کے متعلق ڈاکٹر اقبال مرحوم کے خیالات کا تعاقب کیا گیا ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال نے نظریۂ وحدت الوجود کی جو مخالفت کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس نظریئے کا صحیح مفہوم ہی نہ سمجھ سکے تھے۔ اقبال نے "وحدت الوجود" کا جو مفہوم لیا اور اس کو حرکت و عمل کا دشمن قرار دیا۔ سید حسن صاحب کا کہنا ہے کہ وہ "اتحاد الوجود" کا غیر اسلامی نظریہ ہے اور "وحدت الوجود" چیز ہی اور ہے۔ نظریۂ وحدت الوجود پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفانہ رائے کا بھی مصنف نے تذکرہ کیا ہے اور حضرت مجدد نے وحدت الوجود کی جگہ "وحدت الشہود" کا جو روحانی تصور پیش کیا تھا اس کی طرف بھی سرسری اشارے کئے گئے ہیں۔ لیکن لطف یہ ہے کہ اس فرق کو کھولنے کی کوئی کوشش کئے بغیر یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت مجدد نے ابن عربی سے جو اختلاف کیا اس اختلاف کی حقیقت کو بھی ظاہر میں لوگ نہیں پا سکے، ورنہ حضرت مجدد فی الواقع وحدت الوجود کے مخالف نہیں تھے! مصنف نے "وحدت الوجود" اور "اتحاد الوجود" کی دو اصطلاحیں سامنے رکھ کر اس فلسفیانہ بحث کو ۳۲ صفحات کے اندر طے کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ کسی بھی طرح تسلی بخش اور مطمئن کن نہیں ہے ــــ کیونکہ افسوس ہے ان دونوں اصطلاحوں کے مفہوم کو بھی قریب قریب بند ہی رکھا ہے، کھولا نہیں ہے۔

شیخ اکبر کا مفہوم خواہ کچھ بھی رہا ہو اور ڈاکٹر اقبال اس نظریئے کو خواہ غلط سمجھے ہوں یا صحیح، ایک بات سیدھی سادی ہے۔ یہ کہ اسلام کا مزاج فلسفیانہ چون و چرا میں پڑ کر زندگی کا قیمتی وقت ضائع کرنے کا متحمل نہیں، بلکہ اس وقت کا ایک ایک لمحہ ایمان و عمل پر خرچ کرنا اس کی فطری ساخت کے مطابق ہے۔ عملاً جب تک مسلمان اس قسم کی فلسفیانہ، مابعد الطبیعاتی گتھیوں میں نہیں پڑے امت کا کارواں ترقی کے منازل طے کرتا رہا اور جب بھی اس طرح کے مباحث نے سر اٹھایا امت کے ارتقائے عملی کی رفتار رک گئی۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ مگر مصنف نے اس موضوع کو چھیڑنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی! ــــ کتابچے میں بعض جگہ زبان کی غلطیاں بھی سامنے آئیں مثلاً ــــ حقیقت سے آنکھیں نہیں چرائی جا سکتیں (صفحہ ۵) یا "ابن عربی کی تعلیموں کو نظم کیا ہے (صفحہ ۱) وغیرہ۔ آنکھیں چرانے کے بجائے نظریں چرانا اور "تعلیموں کے بجائے "تعلیمات" ہونا چاہیئے تھا۔

چھٹر نالب سے چلی جائے جامع و مرتب:۔ اکبر علی خاں۔

ناول سائز۔ صفحات ۳۰۴۔ دبیز ٹائیٹل۔ قیمت تین روپے شائع کنندہ:۔ کتاب کارپوریشن، رامپور۔ یوپی۔

ٹائیٹل پیج پر یہ عبارت تحریر ہے "معیاری ادب ــــ

ارزاں قیمت ۔ اور پہلے صفحے پر کتاب کے عنوان کے نیچے کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے "غالب سے متعلق دلچسپ مزاحیہ تحریروں ڈراموں اور فیچروں پر مشتمل اردو کی اکلوتی کتاب" اسکے بعد "عرض مرتب" کے زیر عنوان پانچ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ غالب میں جو شوخی تحریر پائی جاتی تھی اسکے تعلق سے غالب کے متعلق یہ مزاحیہ انداز کے ہلکے پھلکے تفریحی اور نیم تنقیدی جائزے غالب کے متعلق پڑھنے کے شائقین کی "خوش اوقاتی" میں اچھا اضافہ کریں گے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مختلف لوگوں کے قلم سے نکلے ہوئے ان مزاحیہ مضامین میں جو کچھ غالب کے متعلق لکھا گیا ہے اس کا اصل ماخذ خود غالب کا کلام اور ان کے خطوط ہیں کہیں کہیں جو مواد کی یکسانیت آ گئی ہے اس کے لئے مرتب نے معذرت و جواز کا پہلو نکالتے ہوئے کہا ہے کہ کہیں کہیں جزوی یکسانیت کی بنا پر مضامین کے تنوع کے بڑے حصوں کو قربان نہیں کیا جانا چاہیئے تھا ۔ یہ کتاب اس نوع کے ۱۹ مضامین کا مجموعہ ہے۔ جہاں تک دلچسپی کا معاملہ ہے سب ہی مضامین میں مزاح اور شوخی تحریر کی چاشنی کم بیش موجود ہے۔ لیکن "معیاری ادب" والی جو بات ٹائیٹل پیج پر رقم کی گئی ہے وہ سب پر چسپاں ہونا مشکل ہے! ۔۔۔ مرتب نے "مرزا غالب کے گھر میں ایک شام" نامی جس مضمون کو سب سے پہلے دیکھا اور پسند کیا اور یہی پسندیدگی اس ترتیب کا داعیہ بنی واقعی کئی لحاظ سے معتدل اور معیاری انداز کا مزاح لئے ہوئے ہے۔ آل احمد سرور اور سعادت حسن منٹو کے مضامین بھی اپنے اپنے رنگ میں منفرد ہیں۔ ورنہ بعض مضامین میں (مثلاً فضل احمد صدیقی صاحب کے یہاں) مزاح کا رنگ معیار و اعتدال کی تعریف کو پامال کرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور بہت "تیز" ہو گیا۔ یہ "آزاد روی" ایسے مقامات پر کھلنے بھی لگتی ہے جہاں مذہبی حقائق بھی مزاحیہ لوک قلم کی زد میں لے آئے ہیں مثلاً "غالب کے ساتھ اعراف میں" یا "غالب جنت میں" ۔۔۔ ایسا مزاح جس سے غیر شعوری طور پر مذہبی حقائق کی سنجیدگی و متانت قاری کے ذہن میں مجروح ہونے لگے "ایک بڑی مہنگی خوش اوقاتی شمار ہو گی جو تھوڑی دیر ہنسانے کے بعد بہت دیر تک رُلانے کا شاخسانہ بن جائے"۔ ایسے مضامین کے اس فائدے سے ہمیں انکار نہیں کہ غالب نے مذہبی حقائق کے باب میں اپنے کلام یا خطوط میں جو شوخی تحریر دکھائی ہے یہ مضامین ان کا مزاحیہ پوسٹ مارٹم کر کے ان پر سے "گستاخی" کا الزام ہٹانے کا کام کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ "الزام" وہاں سے ہٹ کر خود مذہب کے عظیم حقائق کے بارے میں آدمی کی فکری سنجیدگی کو ڈانواں ڈول کر دے تو یہ کوئی "اچھی خدمت" تو شمار نہ ہو گی! بہرحال مجموعی طور سے یہ مضامین "غالب" کے متعلق ایک "جدید و لذیذ" تحریری جدت کا دروازہ کھولتے ہیں ۔۔۔ اس لئے جس قدر و قیمت کے وہ مستحق ہیں وہ انھیں ملنی ہی چاہیئے بعض جگہ اشعار کے الفاظ میں تحریف ہو گئی ہے اور بعض بعض جگہ کتابت کی ازلی غلطیوں کا بھی سراغ ملا۔ اس لحاظ سے اگلے ایڈیشن کیلئے اسی پر نظر ثانی کر لی جائے تو اچھا ہو۔

مسلمان اور کانگریس

از:۔ مولانا ابوالکلام (مرحوم)
ناول سائز۔ صفحات ۹۶
دبیز ٹائیٹل مع گرد پوش قیمت ۲۵/۱
شائع کردہ:۔ آزاد بکڈپو لاہور

مولانا آزاد مرحوم و مغفور نے اس کتاب میں یہ بات کھول کر بتائی ہے کہ وہ مسلمانوں کو کانگریس میں شریک ہو کر جنگِ آزادی کا مشورہ سیاسی انداز پر نہیں بلکہ خالص مذہبی اور روحانی مفادات کے تحت دے رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ برطانوی استعماریت اور استبداد سے ملک کو آزاد کرانے کا کام ایک جہاد تھا ظلم کے خلاف، ایک عزیمت تھی غیر انسانیت سے لبریز ۔۔۔ آزادی کے بعد ملک میں اقلیت اور اکثریت کے پیمانے سے مستقبل کے استحکام کو تولنا ان کے نزدیک اس بات کا ثبوت تھا کہ مسلمان میں خود اعتمادی اور خدا پر یقین و اعتماد کی چنگاریاں سرد ہو رہی ہیں ۔۔۔ انگریزوں سے مانگی ہوئی زندگی ان کی نظر میں موت سے بھی بدتر شے تھی اور ہندو اکثریت کا ہوّا کھڑا کرنا ان کے نزدیک ایمان باللہ کے مجاہدانہ اور سرفروشانہ اسلامی کردار

سے کوئی تعلق نہ رکھا تھا ـــــ زندہ رہنا یا زندگی کی کوشش میں مرجانا، بس یہی دو راہیں تھیں جن پر وہ ہندوستانی مسلمانوں کو بے دھڑک اور بے خوف وخطر حصول آزادی کے جہاد میں تیز گام دیکھنے کے لئے بے پناہ طور پر بے چین تھے۔ کتاب کے لفظ لفظ سے غیرتِ ایمانی اور حمیتِ انسانی کا آتش فشاں پھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے ـــــ حرف حرف سے زلزلہ انگیز جنبشِ دل کی دھمک صاف سنائی دیتی ہے ـــــ ان کا تصور یہ تھا کہ علیحدگی پسندی کی تہ میں خود اعتمادی کی جاں ستاں کمزوریاں ہیں اور دوسروں کے بل پر، یا ظاہری تحفظات کے سہارے کوئی قوم جینے کی کوشش میں بہت دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی ـــــ آہستہ آہستہ اسطرح خود اپنی قبر کھودتی اور اسمیں دفن ہوتی چلی جاتی ہے ـــــ اسکے برعکس حالات اور مشکلات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے بڑھنے والی قومی خود اعتمادی پر چل کر کوئی قوم شہید ہوتی ہے تو اسکے لہو سے اسکی حیات جاوداں جنم لیتی ہے۔

تبصرہ نگار کو اس کتاب کے مطالعہ سے پہلی بار یہ احساس ہوا کہ مولانا آزاد کے خلاف رائے قائم کرنے سے پہلے آدمی کو سیکڑوں بار غور کرلینا چاہیئے۔ انھوں نے جو راہ اختیار کی تھی مفاد پرستی اور خود پسندی کی پرچھائیں بھی اس میں نظر نہیں آتی بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ اسکے عقب میں ایک زبردست طویل سوچ، بہت دور رس بصیرت اور تدبر جلوہ افروز تھا یہ الگ بات ہے کہ مولانا نے جو راہ عمل پسند کی تھی واقعات نے اسکو کہاں تک صحیح یا غلط ثابت کیا ہے ـــــ یا آئندہ تاریخ کیا فیصلہ ـــــ آخری فیصلہ سنائے گی۔

تبصرہ نگار کا خیال ہے کہ مولانا نے جہاد و عزیمت عزیمت و سرفروشی کی جو راہ پسند کی تھی، ان کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے تھا کہ قوم میں اس پر قدم اٹھانے کی سکت اور صلاحیت بھی موجود ہے کہ نہیں اور نہیں ہے تو یہ راہ تجویز کرنا جوش کہلائے گا یا ہوش کہلائے گا؟ جو طاقتور غذا وہ ملت کو پیش کرنا چاہتے تھے اس کو ہضم کرنے والا معدہ ہی قوم کے پاس کہاں تھا! ـ کہیں کہیں خود مولانا کے قلم سے اسی کتاب میں اس تلخ حقیقت کا اعتراف بھی ملتا ہے۔ مگر جوش و التہاب کے ایسے عالم میں وہ پہونچے ہوئے نظر آتے ہیں جہاں اس حقیقت کو دیکھنے کے باوجود اس کو قبول کرنے کے لئے ان کا دل تیار نہیں ہوتا! ـــــ وہاں تو ایک شاندار زندگی یا شاندار موت کی دو ہی متبادل شکلیں ملتی ہیں ـــــ زندگی اور موت کے درمیان بستر علالت پر کروٹیں لینے اور بیمار کے علاج معالج کی فکر میں پڑنے کو ان کا دل ضیاعِ وقت سمجھتا تھا۔ لیکن اپنی اس اندرونی کیفیت کو مولانائے مرحوم نے محض جذباتیت کی زبان میں بیان نہیں کیا بلکہ حقیقت پسندی کا تقاضا ظاہر کیا ہے۔

بعض بعض جگہ مولانا کا قلم اپنی معیاری ثقاہت و متانت سے ہٹ بھی گیا ہے ـــــ مثلاً صفحہ ۱۴ پر لیگ سے راضی نامہ کی شرائط بیان کرتے ہوئے تمسخر و استہزا کی ایسی کیفیت پیدا ہوگئی ہے کہ یقین کرتے ہوئے جھرجھری سی آتی ہے کہ یہ مولانا کا قلم ہے! ـــــ جہاں جہاں ایمانی اور دینی زاویئے سے کوئی بات آتی ہے وہاں تو مولانا کا قلم ایمان و یقین کے خشک ہونٹوں پر آبِ حیات کی بوچھار کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

بدعت کیا ہے؟ (نیا اضافہ شدہ جدید ایڈیشن) بدعت و معصیت کے رد میں ایک عظیم کتاب۔ قیمت مجلد ..... تین روپے ۳/-

التشرف احادیث تصوف کی معرفت پر مولانا اشرف علیؒ کی معروف کتاب۔ قیمت ۱۲/-

حکایاتِ اولیاء تالیف مولانا اشرف علیؒ اس کتاب میں شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے بزرگوں اور علمائے دیوبند کے اکابر علماء کی حکایات اور حالات و کوائف جمع کئے گئے ہیں۔ مجلد ۶/-

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (یوپی)

کمیونزم کے حقیقی رُخ کو نمایاں کرنے والی کتابیں

پتھر کے دیوتا

دنیا کے چھ مشہور مصنفوں کی آپ بیتیاں۔ جو کسی وقت عالمی شہرت کے کمیونسٹ تھے لیکن بعد میں کمیونزم کے مخالف ہو گئے۔ وہ کمیونسٹ کیوں بن گئے اور بالآخر انھوں نے کمیونزم کو کس لیے خیرباد کہا۔ ایک انتہائی دلچسپ اور بصیرت افروز کتاب۔ ضخیم مگر دلچسپ۔ ۴۰۰ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ۔

تجدید جنوں

یہ کتاب اردو کے شاعری سرمائے میں ایک تاریخی اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔ نئی فکر اور اسالیب بیان۔ مغربی اور مشرقی روایتوں کے تجربے۔ ۲۰ ممتاز شاعروں کی خیال انگیز نظموں کا مکمل مجموعہ۔ ترجمہ: جو منظور سید ہی اور جلیس عابدی نے کیا ہے۔ بڑا سائز۔ دلآویز کاغذ پارچے کی مضبوط جلد۔ قیمت پانچ روپے۔

چین کا بدلتا سماج

چین کا سماجی، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی جائزہ۔ چین کے قدیم ادوار سے موجودہ کمیونسٹ حکومت تک پھیلا ہوا سماج میں جو مختلف النوع تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اس کتاب میں ان کا پوری جزرسی کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

عظیم بیداری اور جمہوریت کا چیلنج

مشہور امریکی مفکر جان سٹوارٹ مل کے دو مقالوں کا مجموعہ۔ [illegible] کی وجود سے [illegible] بیان سفر کی تعلیمات [illegible] انھوں نے اپنی موت سے کچھ مدت پہلے لکھے۔ ان کے زندگی بھر کے تجربات اور فکر و تدبر کا نچوڑ ہیں۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے۔

تین انقلاب

امریکہ، فرانس اور روس کے انقلابات کا بے لاگ تجزیہ اور موازنہ۔ مشہور سیاسی مفکر فریڈرک جینٹز اور سیلیگن ٹی پوسوفی کے قلم سے ـــــ ان تینوں انقلابوں میں نوع بشر نے کیا پایا اور کیا کھویا؟ اس سوال کا مفصل جواب۔ قیمت پچھتر پیسے۔

ادیب اور کمیسار

انقلاب ہنگری کے موقع پر روسی وزیر ثقافت خروشچیف نے کہا تھا:

"اگر کچھ مصنفوں کو بروقت گولی مار دی جاتی تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔"

کمیونسٹوں کی چلائی ہوئی ترقی پسند ادب کی تحریک ادیبوں کے لیے کن خوفناک مضمرات کی حامل ہے، یہ جاننے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کیجیے۔ قیمت ایک روپیہ۔

ایک روسی سائنسداں کے تجربات

ـــــ سوویت چین میں

ایک روسی سائنسداں کی خود نوشت سرگزشت جو چین کی ترقیات میں مدد دینے کے لیے ماسکو سے پیکنگ گیا تھا۔

ایک معزز پیشہ اور ماہر کار کی حیثیت سے اسے چین کے مختلف حصوں کا دورہ کرنے اور وہاں کے حالات کو قریب سے دیکھنے کی جو سہولتیں حاصل تھیں، انھوں نے مائیکل کلوچکو کی کتاب کو ایک بے مثل معلوماتی دستاویز بنا دیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

نیا سامراج

کس وقت سامراج کے متعلق سمجھا جانے لگا تھا کہ:

تماشا دکھا کر مداری گیا

لیکن شیطان کی طرح سامراج بھی بدلتا رہتا ہے۔ نئے سامراج کے ہتھکنڈے پرانے سامراج کے ہتھکنڈوں سے زیادہ خطرناک اور پُرفریب ہیں۔ انھیں سمجھنے کے لیے ہیوگ سٹین واٹسن کی اس کتاب کا مطالعہ کیجیے۔ قیمت ایک روپیہ۔

کمیونزم اور نوآبادیت

روسی معاملات کے ماہر خصوصی والٹر کولارز کی معرکہ آرا کتاب۔ کمیونسٹوں کا دعویٰ ہے کہ وہ نوآبادیت اور سامراجیت کے خلاف جہاد کر رہے ہیں اور اس جہاد کی راہنمائی سوویٹ یونین کے ہاتھوں میں ہے۔ مصنف نے اس دعوے کو حقائق کی روشنی میں پرکھا ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

پُرامن حملہ

اس کتاب میں ڈوگلس ہائڈ نے جو خود بیس سال تک انگلینڈ کی کمیونسٹ پارٹی کے ممبر رہے ہیں، اس اقتصادی امداد کے پس پردہ مقاصد کی نقاب کشائی کی ہے جو کمیونسٹ حکومتوں کی طرف سے آزاد ملکوں کو دی جاتی ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

اتحاد ـــــ ہماری ہار

ڈوگلس ہائڈ کی ایک اور انکشاف انگیز کتاب جو ان کے بیس سال کے ذاتی تجربات پر مبنی ہے ـــــ اتحاد کو خیر و برکت کی علامت سمجھا گیا ہے مگر عملی طور پر اتحاد کا نعرہ بلند کر کے دوسری جماعتوں یا دوسرے افراد کے ساتھ اتحاد و محاذ قائم کرتے ہیں تو ان کا آخری نتیجہ ہوتا ہے اپنے اتحادیوں کی داخلی تخریب اور دوستی کے پردے میں دشمنی۔ قیمت ایک روپیہ۔

کمیونزم اور زراعت

کوئی نظام کتنی ہی کامیابیاں حاصل کرے، زراعت کا مسئلہ حل کیے بغیر کوئی کامیابی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کیا کمیونزم نے یہ مسئلہ حل کیا ہے؟ قیمت پچھتر پیسے۔

اس پتے سے منگائیے: مکتبۂ تجلی دیوبند ضلع سہارن پور (یو۔ پی)

Monthly TAJALLY DEOBAND U.P تجلی REGD. NO. L 972

سُعالین

سُعالین سانس کی نالیوں کو صاف کرتی ہے۔
کھانسی کو پیدا ہونے سے روکتی ہے۔ گلے کی
خراش کو دُور کرتی ہے۔ اور تسکین پہنچاتی ہے۔

کھانسی کی مشہور دوا جو بے حد خوش ذائقہ اور مزیدار ہے

ہمدرد دہلی • کانپور • پٹنہ

GAYWAYS/M

آنکھوں کا بہترین دوا

بصارت

طب قدیم کا ایک نادر شاہکار

• بھاگا کام کرنے والوں کے لئے بہترین دوا ہے۔ سرخی، دھند، جالا
• روہے، سفید موتیا، آنکھوں کے آگے اندھیرا آنا، آنکھوں سے پانی بہنا غرض اندھے پن کے سوا آنکھوں کے جملہ امراض میں
• بغیر کسی درد کے بھی استعمال کرتے رہنے سے نگاہ بڑھتی ہے۔
• دیکھنے کی طاقت بڑھتی ہے۔ لیپ کرنے سے آنکھوں کے پٹھوں کی کمزوری دور ہوتی ہے۔

• اسکا استعمال ہر موسم میں یکساں مفید ہے۔
• رات کو استعمال کرنے سے آنکھوں میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔
• آنکھوں کی کمزوری کے لئے بہترین دوا ہے۔

انتہائی خوبی یہ ہے کہ اسے پینے سے بینائی بڑھاپے کے باوجود بھی آنکھوں میں سکتا اور کبھی بھی آنکھوں کی روشنی کمزور نہیں ہوتی۔

ایک تولہ 6/- | ماشہ 3/50 | محصول ڈاک ڈیڑھ روپیہ

ہر قسم کی تجارتی پیشکش کیلئے ہم سے خط و کتابت کیجئے

دارالفیض رحمانی۔ دُرِ نجف بلڈنگ۔ دیوبند۔ یو۔ پی
DEOBAND U.P

تاجر حضرات سے خط و کتابت کیجئے